سراج السالکین

حالات وملفوظات وکرامات

قطب الارشاد، فرد الافراد، قدوۃ العارفین، ملقب بہ سراج السالکین

حضرت شاہ محی الدین احمد عرف ننھّے میاں

قادری چشتی قدس اللہ بسرہ العزیز
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ نیازیہ، بریلی شریف

مؤلف و مرتب

خلیفہ حضرت مولانا مولوی شاہ قطب الدین
نظامی، نیازی رحمۃ اللہ علیہ

نیازیہ اکیڈمی، خواجہ قطب، بریلی شریف

سراج السالکین

حالات وملفوظات وکرامات

قطب الارشاد، فردالافراد، قدوۃ العارفین، ملقب بہ سراج السالکین

حضرت شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں

قادری چشتی قدس اللہ بسرہ العزیز

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ نیازیہ، بریلی شریف

مؤلف ومرتب

خلیفہ حضرت مولانا مولوی شاہ قطب الدین

نظامی، نیازی رحمۃ اللہ علیہ

نیازیہ اکیڈمی، خواجہ قطب، بریلی شریف

نام کتاب - سراج السالکین

صنف - تذکرہ حالات وملفوظات وکرامات

اشاعت - بار اول - ۱۹۳۴ء

بار دوئم - ۱۹۷۴ء

بار سوئم - ۲۰۰۳ء

ایڈیشن - تیسرا - ۲۰۰۳ء

ضخامت - ۱۶۷

مطبع -

ہدیہ - پچاس روپے

ملنے کا پتہ -

(۱) شاہ محمد سبطین نظامی نیازی (شبّو میاں)

خانقاہ عالیہ نیازیہ، خواجہ قطب، بریلی شریف (یوپی)

(۲) ڈاکٹر سید حبیب الرحمٰن نیازی

میر جی کا باغ، سنسار چندر روڈ، جے پور

(۳) سید افسر میاں چشتی نیازی

حیدرآباد ہاؤس، درگاہ شریف، اجمیر

عرضِ حال

خانقاہ عالیہ نیازیہ، بریلی شریف ایک لمبی مدت سے بیمار انسانیت کے روحانی علاج کا کارِ خیر انجام دیتا آ رہا ہے۔ رُشد و ہدایت کا سرچشمہ یہاں سے جاری ہو کر چہار دانگ عالم کو سیراب و سرشار کر رہا ہے۔ ہمارے اکابرین کی زندگیاں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے عبارت ہیں۔ انہوں نے اپنی مثالی زندگیوں سے زمانے کی روش بدل ڈالی ہے۔ دین کی خدمت کی اس سے بڑی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔

حضرت شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں قادری چشتیؒ ملقب بہ سراج السالکین کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ قطب الدین نظامی و نیازی نے حضرتؒ کے حالات و ملفوظات و کرامات کا تذکرہ نہایت موثر پیرائے میں تالیف کیا اور ۱۹۳۴ء میں اسکی اشاعت عمل میں آئی۔ یہ کتاب حضرت قبلہ سراج السالکینؒ کی سیرت کا نمونہ ثابت ہوئی اور عوام نے اس سے بے حد استفادہ کیا۔ دوسری بار یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی اور پہلے ایڈیشن سے زیادہ مقبول ہوئی۔ انقلاب زمانہ کی وجہ کہ ہماری نئی نسل اپنی تمام تر پرانی قدروں سے دور ہو گئی اور اپنی زبان "اپنی تہذیب" اپنی ثقافت اور اپنے وجود تک کو قائم رکھنے کی فکر نہ رہی۔ ظاہر ہے مذہب سے دور ہونے کا مطلب ہوگا انسانیت

سے دور ہو جانا، روحانیت سے دور ہو جانا اور پاکیزگی سے دور ہو جانا۔ ایسی صورت حال میں ہمارے اکابرین کی زندگیاں، اُن کا عمل ہماری نئی نسل کی ذہنی اصلاح کا باعث بن سکتے ہیں۔ اسی مقصد کے تحت کتابِ ہذا کا نیا ایڈیشن منظر عام پر لانے کی ضرورت مدت سے محسوس کی جاتی رہی۔ اس بات کا تذکرہ متعدد صاحب خیر حضرات سے کیا گیا مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ جناب ابواللیث جاوید، معروف افسانہ نگار، شاعر اور مفکر نے اس پروجکٹ پر جلد از جلد کام شروع کرنے پر زور ڈالا اور کتاب ہذا کی افادیت کو سمجھتے ہوئے اسے عوام تک پہنچانے کی ضرورت محسوس کی۔ اُن کے ہی ایما پر کتاب ہذا کا تیسرا ایڈیشن طباعت کے مراحل سے گذر سکا۔ اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نئی نسل تک ہدایت کی روشنی پہنچانے میں ضرور کامیاب ہوں گے، انشااللہ۔ جس کی زمانہ کو اشد ضرورت ہے۔

اللہ پاک اُن تمام حضرات کو جزاےء خیر عطا فرمائے جنہوں نے ذرہ برابر بھی کتاب ہذا کی اشاعت میں تعاون فرمایا ہے۔

شاہ محمد سبطین عرف شبو میاں
خانقاہِ عالیہ نیازیہ، خواجہ قطب، بریلی شریف

نذر

نہایت ادب اور خلوصِ عقیدت کے ساتھ

کتاب ہذا کو بحضور قطب الارشاد فرد الافراد محرم اسرار خفی و جلی مولائی و ماوائی حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ بریلی شریف ادام اللہ فیضانہ، پیش کرتا ہوں

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

احقر المریدین سراج السالکین

کمترین سید قطب الدین نظامی نیازی

فہرست

مقدمہ

از جناب سید محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی

جو صفت بیان کی جائے وہ اس سے مرتبہ غیب میں پاک ہے سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون مقام اسمار میں تمام نام اسی کے ہیں لہ الاسماء الحسنی عالم شہادت میں تمام خوبیاں اسی کی ہیں والحمد للہ رب العلمین۔ پس وہی احد ہے مرتبہ غیب میں۔ احمد ہے۔ مقام اسمار میں، محمدؐ ہے عالم شہادت میں اللھم صلی وسلم وبارک علی محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین ط

علم اور حقیقت

عرفانِ حقیقت کے ذرائع کے علم کو اصطلاحاً علم تصوف کہتے ہیں۔ حقیقت کا انکار خود اپنا انکار ہے ولاتکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم حقیقت واحد ہے، ایک ذرّے کی حقیقت کا علم تمام کائنات کی حقیقت کا علم ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ حقیقت کی تلاش کا بہترین ذریعہ اپنی تلاش ہے دنیا اس وقت تک دنیا اس وقت تک حقیقت سے بے خبر رہے گی جب تک حقیقت کو اپنے باہر تلاش کرے گی حقیقت واحد ہے اور وجود محض حقیقت ہے، وجود محض حقیقت میں اجماع وارتفاعِ نقیضین محال نہیں ہے بلکہ واقع اور ثابت ہے، عقلائے دہر مظاہر حقیقت کی صفات سے علم حاصل کرتے ہیں اور مظاہر کی صفات آپس میں اضداد ہیں اس لیے ہمیشہ ان کو ایک علم اپنے پرانے علم تجربے کی ضد اور مخالف حاصل ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں ہم ترقی کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ہی گردش کر رہے ہے، ایک قید سے نکلتے ہیں اور

دوسری قید میں مقید ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا یہاں تک کہ موجودات
کا سلسلہ ہی ختم نہ ہو جائے جو محال ہے یا ان لوگوں کو سکون حقیقی حاصل ہو جو
شاید موت سے تعبیر ہو سکتا ہے یا عرفانِ تام میسر ہو جائے جس کو موتوا قبل ان
تموتوا کہا گیا ہے اور واعبد ربک حتی یاتیک الیقین جس کی طرف اشارہ
ہے، مگر یہ سکون حقیقی سے آشنا نہیں ہو سکتے جب تک کہ علم اور اعراض حاصل
کرتے رہیں گے حقیقت جو کہ ہستی بحت ہے ان کے مبلغ سے بلند ہے صفت صرف صفت
کو حاصل یا محسوس کر سکتی ہے۔ ذات ہر شے کی ادراک سے باہر ہے تعالی اللہ عما یصفون ط

علم انسان کی بنا مشاہدہ اور قیاس ہے یعنی کچھ چیزیں دیکھتا ہے اور کچھ چیزوں کو
ان دیکھی ہوئی چیزوں کی مانند سمجھ لیتا ہے قول شارح اور حجت کے طویل افسانے انہی دو
جملوں پر ختم ہو جاتے ہیں وما اوتیتم من العلم الا قلیلا مشاہدہ تمام تر توہمات اور
تقلید علمی سے مرکب ہے "آفتاب آمد دلیل آفتاب" نہ کہیں تو اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں
اور قیاس خود مشاہدہ کا تابع ہے۔

ترقی یافتہ صورت جہالت کی ہے علم اپنا
جو کچھ سمجھے وہی دیکھا جو کچھ دیکھا وہی سمجھے

دلیل ایک فریب ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو تسکین دینا چاہتا ہے یا
مخاطب کو اپنا فریب وقیع سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ دلیل اس "تکبر" کا نتیجہ ہے جو جہل مرکب سے
پیدا ہوتا ہے یعنی کسی شے کے سمجھنے کی فضول کوشش زعم علمی کے تحت میں، دلیل کوئی سبب
نہیں بلکہ علم سبب ہے، یعنی جب کوئی شے یا واقعہ واقع ہو جاتا ہے تو اس واقعہ کو
اپنے مشاہدات و قیاسات سے مطابق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انتہائے جہالت
یہ ہے کہ اگر ہمارا علم اس واقعے سے مطابق نہ ہو تو بجائے اپنے علم کی کوتاہی کے
اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا جائے۔

یقین علم کی بہترین جہت ہے اور عرفان یقین کا آخری درجہ ہے قرآن نے اسی

کو حق کہا ہے۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا حق کے علاوہ جو کچھ ہے وہ معدوم ہے الا کل شی ماخلا اللہ باطل حق اور اللہ ایک مسمی کے دو اسم ہیں ذالک اللہ ھو الحق وانما یدعون من دون الباطل۔

حق کا منشاء تخلیق عالم سے عرفان ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون تفسیر ابن عباسؓ، شریعت کا منشاء اتباع احکام ہے اور اتباع کا مقصد "محبت" قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اور محبت ہی مقدمہ عرفان ہے فاحببت ان اعرف اور عرفان ہی وجہ تخلیق ہے فخلقت الحق۔

کائنات پر ذرا غور کیجئے اور یہ سوچئے کہ ہم جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ محسوس کرتے ہیں وہ سب کا سب علم اعراض ہے مثلاً رنگ فاصلہ جہت شکل نرمی سختی کمیت کیفیت وغیرہ لیکن ہمارے علم سے بالا و برتر ہونے کے باوجود کوئی شے ایسی ہے جس کو یہ اعتراض لاحق ہیں وھو معکم اینما کنتم الا انہ بکل شی محیط اس لیے کہ عرض اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہے اللہ غنی وانتم الفقراء ہر شے اپنے غیر سے محض اعراض واعتبارات سے ممتاز ہے اور اعراض واعتبارات کا خود وجود نہیں ہے کہ ان اعتبارات پر مٹی جاتی ہے ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون بڑا حجاب علم اسماء ہی کا ہے العلم حجاب الاکبر زید عمر بکر سب انسان ہیں غیرت اور امتیاز نام ہی سے قائم ہے خلقکم من نفس واحدۃ اسی طرح انسان اور دیگر موجودات آپس میں اعراض و اسماء ہی سے ممتاز ہیں ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وآباءکم ما انزل اللہ بھا من سلطان نظام عالم اور عوام کی استعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے باری تعالےٰ نے بھی مشرق و مغرب کے امتیازات قائم رکھے ورنہ وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

میرا قول خواہ کسی نظر سے دیکھا جائے مگر واقعہ یہ ہے کہ اسلام کورانہ تقلید کے قطعاً خلاف ہے۔ رائے کی آزادی جس کو بعض علماء برا سمجھتے ہیں اسلام کا خاص اصول ہے الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔

مذہبی معلومات کا دائرہ اسقدر تنگ کرنا یہودی علماء اور ہندو برہمنوں کی سنت ہے سطحی عزت اور غیر حقیقی بزرگی بغیر اس کے حاصل بھی نہیں ہوسکتی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تصوف قرآن کے علاوہ اور خلاف کوئی شے نہیں ہے جس قدر حال، قال، جبے، عمامے، مدرسے اور خانقاہیں توحید کے علاوہ ہیں۔ سب باطل ہیں۔ مسلم کا انتہائی مقصد سوائے خدا کے کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ط

تصوف اسلام کا مطمح نظر ہمیشہ سے یہی ہے کہ وہ تمام مقاصد اور جذبات محنت کو ایک خدا سے متعلق کردے اور سوائے خدا کے تمام قسم کے معبودوں کو لائے نفی کی تلوار سے نیست ونابود کردے۔ خواہ وہ معبود آفاقی ہوں۔ مثلاً بت، ملا، پنڈت، زمین آسمان وغیرہ۔ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ یا وہ معبود انفسی ہوں مثلاً حرص وہوا۔ حب جاہ ومال، علم غیرت وغیرہ افرایت التخذ الہہ ھواہ غرض گناہ وحرام تو ایک طرف اگر آپ نماز پڑھتے ہیں اور مقصد حق تعالےٰ نہیں ہے تو وہ نماز ہی نہیں ہے الاعمال بالنیات زکوٰۃ وحج وقربانی تمام اعمال بغیر توجہ الی اللہ ضائع اور بیکار ہیں لا یصل الی اللہ لحومکم ولا دمائکم۔

عبادت بغیر عرفان کے لہو ہے لاصلوٰۃ الا بحضور القلب حضور قلب ہی عین عرفان حق ہے واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ۔

صوفیہ متقدمین کا مطمح نظر نہ دائرے ہیں نہ سیر زمین وآسمان بلکہ تمام مقاصد سے منقطع ہوکر اللہ واحد کی طرف رجوع ہے وتبتل الیہ تبتیلا ط

صوفیہ کا عمل بموجب تعلیم قرآن ذکر، فکر، تقویٰ۔ طہارت جو کچھ ہے جہاد فی اللہ ہے جو موصل الی المطلوب ہے الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یہی ان کا سلوک ہے اور یہی ان کے مقامات ہیں، قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، نظامی، صابری وغیرہ سب کا اسی پر اتفاق ہے، سلف اُن القاب و نسب سے اپنے آپ کو صرف محبت و تعارف کے ضمن میں منسوب کرتے تھے وجعلنا قبائل لتعارفوا نہ نمود اور تفوق کے لیے کان الناس امۃ واحدۃ

گرچہ بر واعظ شہر ایں سخن آساں نشود
تا ریا ورزد و سالوس مسلماں نشود

اہل ظاہر اور صوفیہ بظاہر ایک ہی کتاب کے ماننے والے اور عمل کرنے والے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اہل ظاہر جب سنتے ہیں ھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو) یا واللہ علیٰ کل شیءٍ شھید (اللہ ہر چیز پر حاضر ہے) تو آمنا کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اس شہادت کو غیب پر محمول کر کے یؤمنون بالغیب پڑھ لیتے ہیں لیکن فریق ثانی سنریھم اٰیٰتنا فی الاٰفاق و فی الانفس فتبین لھم انہ الحق کے بموجب علم الیقین سے حق الیقین تک پہنچتے ہیں اور ان تعبد ربک کانک تراہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاش اہل ظاہر سمجھتے کہ یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ کا مخاطب کون ہے۔ جو ایمان لائے ہوئے ہیں ان کو ایمان لانے کی تاکید کیوں کی گئی ہے۔

انسان کی عادت ہے کہ حال پر مطمئن نہیں ہوتا ماضی کے افسانے اور مستقبل کے خواب میں حال کو محو رکھتا ہے کاش وہ سمجھتا کہ من کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا ط (جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ ہے) کا مصداق کون ہے؟

ہر کہ ایں جا ندید محروم است
در قیامت ز دولت دیدار (عطار)

وہ علماء قابل افسوس ہیں جو طہارتِ جسم کے مسائل میں ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے ہیں، طہارت قلب نہ خود حاصل کرتے ہیں نہ دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں شرک فی الصفات والعباد سے بچنے کا رات دن وعظ فرماتے ہیں اور وجود باری میں جو عین ذات اور مید صفات ہے لاکھوں بلکہ لاتعداد شریک سمجھتے ہیں اور وہ صوفیہ قابل نفریں ہیں جو شریعت محمدیہ کی مقدس اور فطری قیدوں سے خواہشات نفسانی کی خاطر آزاد ہو کر تصوف کو بدنام کرتے ہیں حالانکہ تصوف انتہائے پابندی کا نام ہے الطریق کلہ ادب۔

بعض لوگ از روئے اعتراض کہتے ہیں کہ تصوف کا ماخذ ویدانت یا فلسفہ یونان ہے اوّل تو یہ خیال قرآن اور تصوف دونوں سے یکساں جہالت ظاہر کرتا ہے لیکن اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو حقیقت واحد ہے اور بفحوائے لکل قوم ھاد ہدایت سب کو پہونچی ہے قرآن خود کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ تمہارے پاس جو کچھ ہے اسی کی تصدیق کرنے والی ہے۔

نزل علیك الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التوراة والانجیل من قبل ھدی للناس۔

عشق را بار کافر و مومن نباشد احتیاج ایں سخن در کعبہ و بتخانہ می باید نوشت

دوسرا اعتراض اہل تصوف پر ذکر لہ کے مختلف طریقوں پر ہے ان اقسام کا ثبوت کتاب و سنت سے مانگا جاتا ہے۔ یہ اعتراض بھی قرآن سے ناواقفیت کی بنا پر ہے فرائض اور نماز سے جدا گانہ قرآن سے خدا کو یاد کرنے کا حکم ثابت ہے خواہ وہ کسی صورت اور کسی ہیئت سے ہو۔ محدود کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے ہر شخص مختار ہے جیسے چاہے یاد کرے۔ فاذا قضیتم الصلوٰة فاذکروا الله قیاما و قعودا وعلیٰ جنوبکم دوسری جگہ ارشاد ہے فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا الله

کذکن کما باءکم او اشد ذکرا ط

اس موقع پر صوفیہ کا مذہب اور نصب العین بتادینا بھی ضروری ہے حضرت فخر الدین زرداوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ باحتہ اسماع میں وضاحت کی ہے کہ اسلام کے تین بڑے اہل مذاہب ہیں ایک محدثین جن کا اصول یہ ہے کہ وہ خبر احاد کے مقابلہ میں قیاس کو ناقابل قبول سمجھتے ہیں۔ دوسرے فقہا جو قیاس کے مقابلے میں خبر واحد پر عمل نہیں کرتے، تیسرے صوفیہ جن کا معیار یہ ہے کہ حدود شریعت میں ہر وہ شے جو خدا سے دور کرے قابلِ ترک ہے۔ اور ہر وہ چیز جو خدا کے نزدیک قابل قبول ہے۔

علم کا شرف اُس کے موضوع کے شرف کے بقدر ہوتا ہے علمِ تصوف کا موضوع ذاتِ باری ہے لہٰذا اس علم سے زیادہ شریف کونسا علم ہوسکتا ہے۔

مذکورۂ بالا بیان اگرچہ محتاج تفصیل ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہوگیا ہوگا کہ تصوف کا مقصد کیا ہے اور وہ کیا چیز پیش کرتا ہے ظاہر ہے کہ کشف و کرامات کا اس سے کوئی تعلق نہیں جس طرح نبوت معجزے سے مستغنی ہے اسی طرح ولایت کرامات سے بے نیاز ہے۔ کرامات کا وجود اہل استدراج میں بھی پایا گیا ہے جو لوگ ارواح سے بات چیت کر لینا یا کسی پر توجہ ڈالنا یا مسمرائز کر دینا فقر و تصوف سمجھتے ہیں یہ ان کی جہالت ہے کہ "عنقا را بلند است آشیانہ" سبحان ربک رب العزت عما یصفون۔

وسیلہ

ہر مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ذرائع ہوتے ہیں انہی ذرائع میں اصل اصول ہستی شیخ ہے جس کو باب اللہ کہا گیا ہے اور امام مبین جس کی طرف اشارہ ہے۔ خدا کا طریقہ بھی یہی چلا آتا ہے کہ اس نے ہمیشہ بندوں کے اور اپنے درمیان ایک نبی محسوس (رسول) کو واسطہ بنایا رسول کے نگاہوں سے پوشیدہ ہوجانے کے بعد خلفاء

اور قائم مقام اس فرض کو انجام دیتے رہے اور انسان کو ہمیشہ ان کی ضرورت رہی کہ وہ اپنے اور خدا کے درمیان ایک واسطہ بنائے اور حکم وابتغوا الیہ الوسیلہ کو بجا لائے۔ واسطہ یا ذریعہ مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ جاہل ہیں وہ جو بے واسطہ اور بغیر ذرائع کے مقصد کو تلاش کرتے ہیں اور گمراہ ہیں وہ جو ذریعہ کو مقصد سمجھ کر اُلجھے ہوئے ہیں۔

مے سے غرض نشاط ہے کس رُو سیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

نغمہ ہو یا حُسن، صورتِ ادب خواہ ہو یا دلربا انسانی تاثرات اشیا رسے متحد الکیفیت سا ہے۔ ان چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے سے زیادہ مقصد کی طرف توجہ ضروری ہے۔ ایسی حالت میں معمولی انسان کی بھی توجہ تمام کائنات سے سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو جاتی ہے اصطلاحاً گیوں کہہ لیجیے کہ علم مرکب علم بسیط میں گم ہونے لگتا ہے اور اس صورت میں مقید عالم اطلاق سے قریب تر ہو جاتا ہے جو عین حقیقت ہے اسی واسطے صوفیہ برزخ کی تعلیم فرماتے ہیں برزخ وہی واسطے ہے جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا۔ اس سے عامل فی الجملہ کثرت سے وحدت کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اب اس ایک شے کا ترک یا اس کی حقیقت کا ادراک جو دونوں ہم معنیٰ ہیں بہت سہل ہے بہ نسبت اس کے کہ فرداً فرداً تمام تعینات اور اعتبارات سے اس کا علاقہ منقطع کرایا جائے اور مقام تبتل الیہ تبتیلا میں فائز ہو۔ ظاہر ہے کہ واسطے کی شرافت مقصد کے اعتبار سے ہے اگر کوئی نماز کو اپنی نمود و عزت کا ذریعہ بنائے تو وہ نماز کسی طرح قابلِ تحسین نہیں ہو سکتی اور اگر ایک پتھر مثلاً سنگ اسود کو حکم خداوندی کی تعمیل میں بوسہ دیا جائے تو وہ نہایت شریف فعل ہے اسی طرح قتل نفس جو کسی طرح محمود قرار نہیں دیا جا سکتا صالح امور اور منعِ فساد کے تحت فرض اور ضروری ہے۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا (حافظ)

تذکرہ

انسان پر سب سے زیادہ مؤثر اس جیسی انسانی ہستی کی مثال ہوتی ہے اسی لحاظ سے آسمانی کتابیں اوامر و نواہی کے ساتھ ساتھ تاریخی اور واقعاتی مثالیں پیش کرتی ہیں ان ھذہ لتذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا ط

دو ہی قسم کی مثالیں قابل تذکرہ ہوتی ہیں یا غیر معمولی اچھی یا غیر معمولی خراب، خراب مثال سے ترہیب مقصود ہوتی ہے اور اچھی سے ترغیب۔ قرآن میں جہاں ایک طرف انبیاء و صالحین کے ذکر ہیں وہیں دوسری طرف فرعون و نمرود جیسے سرکش اور نافرمانوں کی مثالیں بھی ہیں۔ اس قسم کے تذکروں سے چونکہ اصلاحِ اخلاق مدنظر ہوتی ہے لہٰذا تقلید کتب سماوی میں یہ انسانی تصانیف بہترین تصانیف کہی جانے کی مستحق ہیں جو یہ فرض ادا کرتی ہیں۔

تذکرے میں مدح سرائی اور قصیدہ گوئی سے بہتر بات یہ ہے کہ صاحب تذکرہ کے اقوال اور سیرت صحیح حالات میں پیش کر دینے چاہئیں اقوال سے اُن کے علم اور سیرت سے ان کے عمل پر روشنی پڑتی ہے، یہی دونوں چیزیں ہماری زندگی میں مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں۔

جس طرح قرآن کے احکام کی تعمیل کا اندازہ اور اسلوب حدیث خیر الوری ؐ سے ظاہر ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قرآن کو کیا سمجھا اور کس طرح اس کی تعمیل کی اسی طرح اولیاء اللہ کے تذکروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم رسول نے اسلام میں کیسے مکمل نمونے پیش کیے، حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کی خوبی صرف کتاب سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس درس گاہ کے طلباء اپنے کردار سے ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا معلم کس قدر اکمل کیسا جامع اور کتنا بلند ہے

صوفیہ حقیقت میں مدرسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طالب علم ہیں جن کے برگزیدہ حالات و واقعات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سراج منیر کے انوار

کیا ہونگے جس کے فیض نے سینکڑوں آفتاب بنا دیئے جس کی مثال دنیا کے کسی نبی
کے پیروؤں میں نہیں ملتی علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ یہی برگزیدہ شخصیتیں اسلام
کا طرۂ امتیاز ہیں ورنہ بے عمل فلسفی، خشک زاہد اور قانون ساز عالم ہر امت
میں موجود ہیں اور رہیں گے۔

لہٰذا ان مقدس ہستیوں کا تذکرہ درحقیقت خدائی تعلیم کی صحیح تبلیغ ہے۔
ان ہی برگزیدہ شخصیتوں میں ہمارے زمانے میں سراج السالکین رضی اللہ عنہ
کی شخصیت تھی جس کے تمام اعمال شریعت تمام اقوال طریقت تمام احوال حقیقت اور تمام
علوم معرفت تھے جن کے آفتاب کمال کی شعاعوں سے حسب استعداد روشنی حاصل
کر کے زیرِ نظر تذکرہ میں نور پیدا کیا گیا ہے۔

یہ تذکرہ جس طرح اور جیسا لکھا گیا ہے حضرت کی ذاتِ مقدس اس سے بہت
اعلیٰ بہت ارفع اور بہت مکمل تھی مگر مالایدرک کلہ لایترک کلہ کے علاوہ
محبت کے اقتضا کے بھی خلاف تھا کہ اس باب میں ممکن سعی سے گریز کیا جاتا۔ یہ خوش
قسمتی اور سعادت ازلی ہے کہ قرعۂ فال حضرت مولانا شاہ قطب الدین صاحب نیاز کی
غازی پوری مدظلہ العالی کے نام نکلا۔

یہ تذکرہ تمہید کے علاوہ پانچ بابوں پر مشتمل ہے۔ باب اوّل میں حضرت کے ذاتی
و خاندانی حالات ہیں۔ باب دوئم عادات و اخلاق پر مشتمل ہے۔ باب سوم میں اقوال
نقل کئے گئے ہیں اور درحقیقت دوسرا اور تیسرا باب اپنی نوعیت کے اعتبار سے
خاص اہمیت رکھتا ہے۔

باب الاخلاق والعادات

میرا خیال ہے کہ اگر مدحیہ انداز سے قطع نظر کر لی جائے جو عقیدت سے لبریز دل
کے لیے ناممکن ہے تو بھی باب الاخلاق میں کافی مواد موجود ہے جو اگر واقعاتی ثبوت

وتفصیل کے ساتھ لکھا جاتا تو ایک مستقل، ضخیم اور بہت دلچسپ کتاب ہوتی۔
شاید ایسا کوئی آدمی ہو جس کو حضرت سے کوئی شکایت ہو، واقعہ تو یہ ہے کہ آپ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کے پورے مصداق تھے (مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلم محفوظ رہیں) میں خود صداقت کے ساتھ اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ "تذکرہ" میں حضرت کی جس قدر مدح کی گئی ہے وہ ان کی علو مرتبت کے مقابلے میں کم معلوم ہوتی ہے۔
آپ کے اخلاق میں چند خصوصیات زیادہ نمایاں تھیں جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر سخاوت ہے حتیٰ کہ بعض ادنیٰ ملازمین کو تبرکات خانقاہ سجادگی سے مخصوص ہیں مانگنے کی جرأت ہو گئی اسوقت ہم لوگوں نے دیکھا کہ حضرت کو بجائے ناگواری کے اس کا افسوس تھا کہ میں یہ تبرکات ان کو نہیں دے سکتا کیونکہ یہ خانقاہ کی ملکیت اور وقف ہیں میری ملکیت نہیں۔
دوسری خصوصیت تعظیم آل رسول ہے جو اپنی آپ ہی نظیر تھی اور اس بارے میں آپ مضطر سے محسوس ہوتے تھے اختیار سے بھی درحقیقت نقائص بشری کی ہیں۔
تیسرا سب سے قابل انداز آپ کی سادگی اور بے ریائی تھی۔ ایک دفعہ آپ آگرہ فورٹ اسٹیشن پر زمین پر بیٹھ گئے یہ دیکھ کر ایک انگریز اسٹیشن ماسٹر جو آپ سے ناواقف تھا کرسی لے کر دوڑا ہوا آیا اور بمنت آپ کو اس پر بٹھایا۔ ایک معمولی آدمی سے اس قسم کے امور کا صدور عجیب معلوم نہیں ہوتا لیکن جس نے خانقاہ نیازیہ کا جلال وتجمل دیکھا ہے وہ اس کو عجیب سے عجیب تر محسوس کرے گا پھر اس سے عجیب یہ ہے کہ دور سے دیکھنے والوں کو آپ متکبر سے معلوم ہوتے تھے جو بے تصنع ہونے کی دلیل اور رفقر کا خاصہ ہے آپ کا ارشاد ہے کہ زیادہ خاکساری بھی ریاکاری کی حد کو پہونچ جاتی ہے ایک مرتبہ مولوی شاہ عبدالرؤف صاحب سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ الہ آباد آپ کے ہمسفر تھے جو آپ کے متوسلین ومسترشدین ہیں۔ ریل میں وضو کرتے وقت آپ نے تکلیف محسوس فرمائی تو مولوی صاحب نے وضو کرانے کی خدمت انجام دی جب آپ وضو سے فارغ ہو چکے لوٹا لے کر مولوی صاحب

حکماً وضو کرایا۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ آپ سواری میں کوچ مین کے برابر
رچ بکس پر بیٹھے ہیں اور مریدین گاڑی میں سوار ہیں۔ مثلاً صاحب سجادہ حضرت
اہ عزیز میاں صاحب مدظلہ العالی کی شادی کے جلوس میں، مریدین باوجود انتہائی
دب ہونے کے حکم سے مجبور تھے وہی جانتے ہوں گے جو ان کے دل پر گذری
ر گی۔ ملازمین خانقاہ اور مریدین کے سخت سے سخت قصور معاف کر دیتے اور
رہا اپنی ناخوشی کی معذرت بھی فرماتے حالانکہ قصور ملازمین ہی کا ہوتا۔ ممکن ہے کہ
پ کے کسی فعل کی فقہ سے بسبب اُس کے اختلافات کے تائید نہ کی جاسکے مگر
جود طالب علمانہ شکوک اور کم عقیدتی کے مجھے تو کوئی فعل حضرت کا اسوۂ رسول اللہ
لی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نہ مل سکا۔

آپ کے اخلاق سے، آپ کی صحبت میں، اور صحبت میں خاموشی اور کلام دونوں
شاں طور پر جو انوار و اثرات قلوب پر طاری ہوتے تھے اہلِ نظر اسی سے آپ کے
وم تبت کو محسوس کرتے تھے درحقیقت یہی ایام اللہ ہیں جو ایام اللہ میں ظاہر
وتی رہتی ہیں، یہی امور اور تاثرات تھیں جن کی بنا پر بیشمار غیر مسلم آپ کے وسیلے
ے حلقہ بگوش اسلام اور بے شمار مسلمان فیوض روحانی سے بہرہ ور ہوئے۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم!
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

باب الارشادات

اس باب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات نقل کیے گئے ہیں جو دانہ از خرمن
نطرہ از قلزم کہے جانے کے مستحق ہیں۔ اگر آپ کے تمام اقوال جمع کیے جاتے تو نہ معلوم
ی ادبی تاریخی جواہرات کا کس قدر ذخیرہ جمع ہوتا۔

صبح سے شام تک یا خاموشی وسکوت کا دور کیف رہتا تھا یا مذکورہ اقسام کے

مقالات دلوں کو گرماتے رہتے۔ آپ کے علمی اقوال اس قدر لطیف اور عمیق ہوتے تھے کہ اُن کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہر شخص کا کام نہیں تھا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ معارف عقلیہ و علمیہ میں ایک لفظ کی تبدیلی سے اکثر اوقات شروع سے آخر تک معنی تبدیل ہو جاتے اور بعض اوقات پورا جملہ مہمل یا غلط ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ پر جو ارشادات کہ مجھے یاد رہے ہیں ان میں قابل اظہار کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا کیونکہ کل علم لیس فی القرطاس ضاع بیشمار ملفوظات سمجھ میں نہ آئے اس لیے محفوظ نہ رہ سکے، بہت سے سمجھ میں آنے کے بعد فراموش ہو گئے۔

(۱) ارشاد فرمایا کہ ظل نام ہے لطافت وجود کا اور ذات میں عدم لطافت کہاں! ...

(۲) جس جلوے کی تلاش ہے وہ خود کیوں نہیں ہو جاتے رقت قلب سوزش وغیرہ ایسے امور ہیں جو دنیاوی غموم و اسباب سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں پر آخر حاصل اور نتیجہ کیا ؟

(۳) ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں حضور کے یہاں کے آداب سے ناواقف ہوں اس ضمن میں فرمایا کہ خاندان چشت کے آداب یہ ہیں عجز و ایمان و حضور و اضطرار، جو حرکت اضطرار سے صادر ہو وہی ادب ہے، عجز کی انتہا یہ ہے کہ خود کچھ نہ رہے، حضور اور ایمان کی بابت ارشاد ہوا کہ یہ وقت بیعت تعلیم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ بیعت کے معنی تقابض الیدین کے ہیں جب تک یہ نہ ہوگا بیعت صحیح نہ ہوگی مرید ہونے والے نے اپنے آپ کو بیچا اس کے بدلے شیخ نے کیا دیا ... ہمارے یہاں تو کلمۃ الحق دیا جاتا ہے یہ اس کا فعل ہے کہ اس پر قائم رہے یا اس کان سے سنے اور اس کان اڑا دے۔

(۴) ایک دفعہ عشق کے بارے میں ارشاد ہوا کہ

ہر آن میں تجلیات وارد ہوتی ہیں روح کہ طبقہ اعلیٰ کی شے ہے اس لیے ہر وقت متوجہ طرف اعلیٰ کے ہے جب کبھی اس تجلی کو دیکھ لیتی ہے بیقرار ہو جاتی ہے اور چاہتی ہے کہ پھر اس تجلی کو دیکھے مگر بحکم لا تکرار فی تجلیاتہ محروم رہتی ہے اور بیقرار رہتی ہے اور عام لوگ سمجھتے ہیں

نہیں مگر جب اُن سے سوال کیا جائے کہ تم معشوق کی کس چیز پر عاشق ہو تو اس کے جواب میں "معلوم نہیں" کہتے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں ورود تجلی کا ہوا تھا لہٰذا اس محل یعنی صورت سے بھی تعلق ہو جاتا ہے۔ عوام کے محسوسات اور حواس بسبب ظلمات اور جسمانیت کے صرف اس صورت سے ہی متعلق ہو جاتے ہیں۔

(۵) نماز اور اسی سلسلۂ کلام میں ارشاد ہوا:

آیات کلام مجید جو شواہد وحدتِ وجود ہیں جن سے تصوف و فقر مراد ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ایںما تولوا فثم وجہ اللہ۔ وہو معکم اینما کنتم، وفی انفسکم افلا تبصرون۔ وہو علیٰ کل شئ محیط۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ واقرضوا اللہ قرضاً حسنا۔ ید اللہ فوق ایدیہم۔ کل یوم ہو فی شان۔ قل ہو اللہ احد۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ نور السموات والارض۔ ہو الاول والاخر والظاہر والباطن اور امثال اس کے حدیث شریف ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ۔ یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی لا الٰہ الا انا ولا انا غیرہ۔ انا احمد بلا میم ، انا عرب بلا عین من رانی فقد رأ الحق۔ رأیت ربی فی صورت امرد شاب الفقر فخری اور امثال اس کے کلمات اولیاء، اللہ لا تعد و لا تحصٰی ہیں کلام مجید میں۔ قل رب زدنی علما و علمنا لدنا علما۔ حدیث شریف میں طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ۔ مراد علم سے علم الٰہی ہے نہ علم زمین و آسمان۔ تصوف و فقر کی علت غائی عرفان ہے اور عرفان مشاہدہ کرنا ہے کہ آفتاب ذاتِ حقیقت کا مراتِ ذرّات کائنات میں یعنی مشاہدۂ ذات۔ جمیع مظاہر میں اس مرتبے کو پہونچے کہ بصر بصیر کمالِ اشراق سے تابِ مشاہدہ نہ لائے اور کمالِ حیرت سے تحیر میں ذات میں مستہلک و فانی ہو ما فوق اس سے ادراک مسدود ہے جیسا حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں۔ العجز عن درک ادراک۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ تمام سلاسل کا عین میئز ظاہری و باطنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کے تمام اقوال اور افعال کا نام شریعت ہے وہ کونسا عرفان ہے جس میں سالک سے نماز روزہ چھوٹ جائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ترک نہیں ہوا۔ نسبت نماز کے ارشاد ہے الصلوٰۃ معراجی، وقرۃ عینی

فی الصلوٰۃ۔ زید منکر نماز کو ظاہر و باطن میں کمال اور بصیرت نہیں ہے ورنہ نماز وصول الی اللہ کے لیے ایسا شاہراہ ہے کہ جس میں کوئی خدشہ اور کوئی نقصان نہیں ہے اور اس سے زیادہ اقرب کوئی طریقہ نہیں ہے ورنہ الصلوٰۃ معراجی ارشاد نہ ہوتا۔ احسن اعمال وہ ہے کہ جس میں مشیت الہٰی استکمال کو پہونچے جو موجب رضامندی الہٰی اور سبب حصول عرفان ہے۔ صفت مسجوری خواہش ذاتی ہے اور عابدی اور ساجدی کا صفت مخلوق نماز سے منشا، ذاتی استکمال کو پہونچتا ہے جو سبب ظہور عالم ہے۔ ؎

خود ہموں ساجد است وہم مسجود　　نیست در دہر غیر او موجود

لا آدم فی الکون ولا ابلیس　　لا ملک سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارۃ وانت المعنی　　یا من ھو القلوب مقناطیس

شریعت ظاہر طریقت و حقیقت اور طریقت و حقیقت باطن شریعت ہے ہرگز منکر طریقت نہیں اور طریقت ہرگز مبطل شریعت نہیں نماز وہ نماز ہے جو ظاہری ارکان موافق شرع ادا ہوں اور باطنا حضوری و مشاہدۂ ذاتی ہو اللھم ارزقنا۔

(۶) مشاہدہ بیکار ہے جب تک صورت مرئی میں فانی نہ ہو جائے۔

(۷) عالم مثال میں بھی صورت مختلفہ جلوہ گر ہیں مگر مادہ اور خرق والتیام و عناصر سے پاک ہیں ایک صورت کی ہزار صورتیں متحرک اور مشغول ہیں عالم ارواح عالم مثال سے لطیف تر ہے اس لیے اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور عالم مثال دیکھنے میں آتے ہیں چنانچہ خواب میں اور یہ حالت دو طرح کی ہوتی ہے ایک متصل جو اکثر صحیح ہوتی ہے اور ایک منفصل جو عام لوگوں کی ہوتی ہے۔

(۸) حضرت انسان جامع ہے تمام مظاہر کا

(۹) کوئی شے اپنے غیر کو حاصل نہیں کر سکتی

(۱۰) زیادہ انکساری بھی ریاکاری ہے۔

(۱۱) طالب علم کو جب تک فائدہ نہیں ہوتا جب تک شیخ کے کلام پر وحی خدا کی طرح

یقین نہ کرے . . . ۔قرآن شریف کی سب آیتوں میں تاثیر ہے ہم لاکھ دفعہ لاالہٰ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین پڑھتے ہیں لیکن اثر نہیں ہوتا ایک عامل کہتا ہے کہ میں نے بارہا خود تجربہ کیا۔ ممکن نہیں کہ اس کے پڑھنے سے کام نہ ہو اس کے بعد پڑھتے ہیں اور کام ہوجاتا ہے۔ حکیم عبدالکریم صاحب مقتول میرے پاس آئے اور کچھ شکایت کی میں نے کہا حکیم صاحب جو کچھ میں کہوں اس پر یقین کرلیجئے تین روز کے بعد آئے اور کہا اب فرمایئے مجھے یقین ہے اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے میں نے جب دیکھا کہ یہ کھنچتے زیادہ ہیں تو سماع سننے سے روک دیا۔ ایک روز . . . گا ناہورہا تھا کہ حکیم صاحب آئے اور مسند پر ٹوپی رکھدی کہ اس کی شرم آپ کے ہاتھ ہے یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ (اس پر راقم سے ارشاد فرمایا تمہیں یاد ہے کونسا شعر تھا عرض کیا "سانوریا من بھاورے بانکو یار" فرمایا جب یہ شعر آیا "یا ہی میں حسرت یا ہی میں ارماں" "آپ میں آپ سماورے بانکو یار" تو حکیم صاحب آپ میں آپ سما گئے۔ اب جاننے والے جانتے ہیں کہ کتنی محققانہ موت ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جمعیت چار قسم کی ہوتی ہے ایک یہ کہ خیال ہے اور ہر وقت ہے ایک یہ کہ اس خیال کا یقین بھی ہے پھر اس کو دیکھا اور اس کے بعد پہچان لیا کہ یہ وہی ہے اس کا نام عرفان ہے۔

(۱۲) فرمایا :-

مجھے ان کے علماء پر تعجب ہوتا ہے جو معراج جسمانی کے قائل نہیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم عنصری ہماری ارواح سے زیادہ لطیف ہے۔ جبریل علیہ السلام ایک پلک مارتے میں ستر پھیرے سدرۃ المنتہیٰ سے زمین تک کرتے ہیں۔ ہمارا ہر عضو کثیف اور عنصری ہے اسی طرح حواس اور قویٰ بھی کثیف ہیں اس کے باوجود ہماری نظر ساتویں آسمان تک (سیاروں پر) آن واحد میں جاتی ہے اور واپس آجاتی ہے جو ہمارا جزو ہے۔ (اس موقع پر بہت باریک فلسفیانہ استدلال فرمایا تھا جو صحیح یاد نہ ہونے کی وجہ سے حذف کرتا ہوں) اور مع ہمارے جسم کے جاتی ہے یعنی مع علم ہستی خود اور مع حواس کے

یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ مشتری ہے یہ آفتاب ہے یہ زہرہ ہے پس جب ہم ساتویں آسمان تک آن واحد میں ہو کر چلے آتے ہیں تو وہ نور محض جسم بے سایہ ولطیف کا معراج میں جانا اور اس صورت میں واپس آنا کہ زنجیر در ہلتی رہے اور بستر گرم رہے کیا محال عقلی ہے ؟

(۱۳) فرمایا :-
نفسانیت کو دور کر کے سیدھی طرح رہو تو پھر اے طالبان اے طالبان من یا شمار جاستم" یہاں تک کہ جو ارشادات نقل کیے گئے ہیں وہ سب حافظہ سے لکھے گئے ہیں اور حافظہ پر جس قدر اعتماد کیا جاسکتا ہے وہ ظاہر ہے اس لیے الفاظ کی ترتیب بلکہ خود الفاظ و معانی سب کی ذمہ داری کاتب الحروف پر ہے اس کے علاوہ ارباب محبت واہل نسبت کو وہ انبساط بھی ان نقوش سے حاصل نہیں ہو سکتا جو حضرتؒ کے ان الفاظ سے ہو سکتا جن کی نسبت اور صحت یقینی ہو اس خیال کے زیر اثر ایک والا نامہ نقل کرتا ہوں جو مولوی سید انوار الرحمٰن صاحب، بسمل مجددی نیازی جاگیردار جے پور کے عریضے کے جواب میں حقیر کو عنایت فرمایا اور سمجھایا تھا کہ اس ضمن میں عجیب بات یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اور مولوی صاحب موصوف سے اس وقت تک کوئی تعارف نہ تھا نہ واقفیت نہ ان کی علمیت کا اندازہ لیکن والا نامہ عنایت فرما کر مجھے پڑھنے کے لیے حکم دیا اور بعض الفاظ کے معنی سمجھا کر فرمایا کہ یہ ان کی سمجھ میں نہ آئیں گے سمجھا دینا چنانچہ وہی الفاظ مولوی صاحب ممدوح کی سمجھ میں نہ آئے اور میں نے بھی نہ بتائے جب تک کہ انھوں نے خود دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی ۔

نقـــل والا نامـــہ"

سیاح فیاضِ محبت سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم نامۂ محبت انتما پہونچا ماہو مندرجۃ فیہ سے آگاہی ہوئی، میں غریب تو یہ استعداد نہیں رکھتا کہ ان معاملات میں لب کشائی کرسکوں مگر البتہ سیدھا جو سمجھ میں آتا ہے بکتا ہوں۔ وجہ دیریہ عدم سبقت نہیں لے جاسکتا۔ مگر ہاں اس کا ذکر نہیں کہ جو معتقد

بوحدت وجود یا تو نہ ہو یا جو حالات طاری ہوں وہ اثر انعکاسی سے ہوں تو البتہ بند ہوتا ان کا ممکن ہے کیونکہ خود کا مشاہدہ یہ تیقین نہیں ہے تو استدامت حالات البتہ دشوار ہے ہاں بعنایت شیخ جب اس مقام پر پہنچ کر مشاہدہ ہو اور علین الیقین سے گذر کر حق الیقین کو پہونچ جائے۔ تو انفکاک قریب قریب نا ممکن کے ہوتا ہے یا بزور وزبردستی کسی سے چھین لیا جائے تو کشود بند ہو سکتی ہے نہ علم و لقین اور بغیر یقین عرفان نہیں۔

حضرت پنجتن پاک جو مبداء فیضان ہیں ان کی استداد کی ضرورت ہے کہ انا مدینۃ العلم یا بہا فلہذا اس علم ذاتی کو جو مستلزم استجلا ہے پہونچنا محال ہے پس محبت یہ امر ربی و عظمت اہل بیت النبی بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب ہے جو منتج ایمان ہے جو اصل سے بے خبر ہے وہ فرع سے ضرور بے خبر ہے۔ والسلام!

اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے آپ کو اقصیٰ مطالب مطلوبہ کو پہونچا دے۔ آمین!

احقر عباد اللہ الاحد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محی الدین احمد نظامی نیازی

چونکہ دیگر ملفوظات و مکتوبات عالیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسے ہیں جو بلا اجازت خصوصی حضرت مسند آرائے سجادۂ نیازیہ مدظلہ العالی شائع نہیں کیے جا سکتے۔ اس لیے انہی ملفوظات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

باب الکشف والکرامات

کشف و کرامات کے متعلق ضمناً و مختصراً اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔ کشف و کرامات اگر ولایت نہیں تو علامات ولایت میں ضرور ہے جس سے اگر خوش عقیدی نہ پیدا ہو تو خلاف عادت ہونے کے سبب سے عجیب ہوتے ہیں تو کلام ہی نہیں اور عجائبات کے وجود سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا اس کے علاوہ ایک حیثیت سے معجزے کی طرح حجت بھی ہے۔

یہ بات بھی ممکن ہے تاہم اہل سلسلہ کے دلوں میں اس قسم کے واقعات و معلومات

کا سلسلہ بالخصوص سراج السالکین کے آخر زمانہ میں صبح سے شام تک لاتعداد واقعات پیش آتے رہتے تھے یہاں تک کہ استعجاب بھی جاتا رہا تھا یہ سلسلہ حیات صوری تک ہی محدود نہ تھا بہت سے اصحاب ایسے ہوں گے جنھوں نے نہ پہلے ان واقعات کو ظاہر کیا اور اب اظہار کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس مقام پر کشف و کرامات کو عقلی زاویہ نگاہ سے دیکھنا مقصود نہیں ہے اور شرعی حیثیت سے تو یہ کوئی عجیب بات ہو ہی نہیں سکتی قرآن سے انبیاء کے علاوہ دوسرے انسانوں سے خرق عادات کا ثبوت ملتا ہے۔ خضر علیہ السلام کو اگر نبی مان بھی لیا جائے جس کا ثبوت قرآن سے ملنا مشکل ہے تو سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں ایک غیر نبی کا تخت بلقیس کو آنِ واحد میں موجود کر دینا کرامت اور خرق عادت کے ثبوت میں کافی سے زیادہ ہے۔ لیکن کشف اور کرامات دونوں اصول اور قواعد کے تحت میں صادر ہوتے ہیں جیسا کہ اہل وطن سے پوشیدہ نہیں ہے مثلاً ایک مسترشدِ خاص نے حضرت سراج السالکینؒ سے عرض کیا کہ خواب میں مجھ سے جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا اس کا ایک حصہ بھول گیا ہوں حضرت نے بغیر خواب کا کوئی حصہ سنے ہوئے فراموش شدہ اور غیر فراموش شدہ دونوں حصے ارشاد فرما دیئے اگر چہ یہ بھی عدیم المثال روحانی قوت کے لوگ کبریتِ احمر سے زیادہ نایاب ہیں لیکن تاہم یہ واقعہ اصول کے تحت میں ضرور ہے لیکن اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ جس کے اصول و علتِ وقوع کو عقول روحانیتیں بھی شاید دریافت نہ کر سکیں وہ ہے جو ایک دوسرے خاص مسترشد کے ساتھ پیش آیا حضرت سراج السالکینؒ نے دورانِ تعلیم میں ان کو ایک خواب یاد دلایا جو داخل سلسلہ ہونے کے چودہ سال قبل انھوں نے دیکھا تھا اور اس وقت وہ خواب بالکل ان کے ذہن میں نہ تھا حتیٰ کہ حضرت کے محض اشارے سے ان کا ذہن بھی اس طرف منتقل نہ ہوا جب تک کہ تفصیلی اشارات سے حافظہ کو متوجہ نہ کیا گیا۔ اس موقع پر سوائے اس کے کہ خدائے برتر کی عظمت و بزرگی اور اس کے رسول کے کمال و تبلیغ کمالی کا اعتراف کیا جائے عقل کے لیے کوئی چارہ نہیں۔

اس قسم کے واقعات بیشمار ہیں جو عقل پرست دنیا کے علم ویقین سے بالا و برتر ہیں مگر حاضرین خدمت اور متوسلین بارگاہ کے لیے کوئی غیر معمولی بات نہیں حضرت سراج السالکین اس قدر قوی تصرف کے مالک تھے کہ آپ کے متوسلین کسی قوی سے قوی خطرے سے بھی خائف نہ ہوتے تھے ایک دفعہ جو زبان مبارک سے نکل گیا واقعات ہمیشہ اس کی تائید کرتے رہے یہ غلامانِ نیازیہ کی خوش قسمتی اور حضور سراج السالکین کا ایک بیّن تصرف ہے کہ اب بھی وہی ذات بہ تبدیل اسم مسند نیازیہ پر رونق افروز ہے۔ ادام اللہ ظلہٗ و برکاتہٗ۔

مستم از بادۂ شبانہ ہنوز ساقی ما نہ رفت خانہ ہنوز

باب پنجم باب الوفات

اس باب پر کتاب ختم ہے جس طرح ذات اقدس مظہر عجائب و غرائب تھی اسی طرح وفات شریف بھی فنائیت مظہر العجائب کا ثبوت ظاہر ہوئی اللّٰھم افض علینا فیوضاتہ و احشرنا تحت اقدام کلابہ

حضرت مصنف تمام اہل دل حضرات کی طرف سے عموماً اور غلامانِ نیازیہ کی طرف سے خصوصاً شکریہ کے مستحق ہیں مصنف "تذکرہ" خانقاہ نیازیہ غازی پور کے صاحب ارشاد ہیں تقریباً ۲۵ کتابیں آپ کی تصنیفات میں سے شائع ہو کر مقبولیت عام حاصل کر چکی ہیں۔ علم ظاہر کی تحصیل علمائے فرنگی محل سے کی ہے۔ تقریباً دس بارہ سال کی عمر سے خانقاہ شریف میں بالالتزام حاضر ہوتے تھے اس وقت عمر مبارک ۷۴ سال ہے اس لیے حضرت سراج السالکین کے عنفوان شباب کے قبل سے لے کر آخر تک کا زمانہ پایا ہے حضرت کے یوم سجادگی کے سب سے پہلے مرید ہیں۔ حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔ تصنیف اور شاعری کا شوق ابتدا ہی سے ہے۔ داغ۔ جلال و امیر کی صحبتیں دیکھے ہوئے اور اس عہد کے

مشاعروں میں شرکت کیے ہوئے ایک مصالح امور سے واقف بزرگ ہیں دیوان تقریباً ۲۵ جز کی ضخامت کا غیر مطبوعہ ہے آپ کے والد حضرت شاہ محمد فضل کریم رحمۃ اللہ عنہ، حضرت تاج اولیاء رحمۃ اللہ کے اجلۂ خلفا میں تھے اور آپ کو حضرت سراج السالکین سے اجازت سلسلہ ہے۔

مصنف کا یہ ضروری تعارف اس تقریب سے کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ تذکرہ تحسین ناشناس نہیں بلکہ ایک ذی فہم عالم اور تجربہ کار صوفی کی تصنیف ہے طرز تحریر کے متعلق بھی یہ بات بھولنی نہ چاہیئے کہ آپ کا انداز تحریر بھی وہی ہے جو اس دور سے پہلے اردو داں علماء کا تھا ایک پیر ہفتاد سالہ سے رنگ جدید اور اسلوب تازہ کی توقع نہ صرف بے محل بلکہ ناواقفیت کی بھی دلیل ہے۔

آخر میں ناظرین سے اس پریشان نگاری پر عفو خواہ ہوں خواص پر میرا عجز اور معذوری ظاہر ہے اور جملہ اقسام کے عیوب اور فروگذاشتوں کے باوجود حضرت سراج السالکین رحمۃ اللہ اور ان کے قرۃ العین صاحب سجادۂ نیازیہ مدظلہٗ العالی سے قبولیت کا طالب ہوں۔

۱۵ دسمبر ۱۹۳۴ء

محمد علی میکش قادری نیازی
میوہ کٹرہ آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ خدا کی تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔ خدا کی شان ایسی عالی ہے جس کی پوری پوری تعریف کوئی نہیں کر سکتا کیوں کہ اس کا ادراک ہماری عقل ناقص سے باہر ہے۔ جب مخبر صادق کا یہ قول ہے کہ لا احصی ثناءً علیک او رماعرفناک حق معرفتک تو پھر ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اس کی حمد میں لب کھول سکیں لہٰذا خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و ز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ام

اگر کوئی ساری عمر خدا کی تعریف لکھے تو بھی ایک شمہ اس کے اوصاف کا نہ لکھ سکے گا نیازیؔ

ایں مثل راست بر آں آید و یاد ر گزاں
عمر آخر شود و مدح نیاید بکنار

جب سے دنیا پیدا ہوئی اور جب تک رہے گی ہر شخص اپنی اپنی اصطلاح اور اپنی اپنی زبان میں اس کی حمد و ثنا کرتا چلا آتا ہے اور اگر کرتا رہے گا مگر کما حقہٗ، اس کی تعریف کسی سے نہ ہو سکی اور نہ ہو سکے گی۔ نیازیؔ ؎

حمد خالق کی ازل سے لکھ رہا تھا دست فکر
حشر برپا ہو گیا تحریر آدھی رہ گئی

خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر تعریفیں کسی کی کی جائیں سب خدا ہی کی صفت ہونگی۔ کسی کے آگے سر جھکایا جائے حقیقت میں اسی کے آگے جھکے گا ؎

توئی معبود اگر مشغول غیرم
توئی مسجود اگر نزدیک دیرم

اس کے علاوہ اس کی حمد کے لیے طہارت ظاہری و باطنی شرط ہے اور یہ ہم میں موجود نہیں ہے لہٰذا ہم سے اس کی تعریف بھی نہیں ہو سکتی۔ نیازیؔ ؎

اگرچہ کوثر و تسنیم سے بوجہ حسن
کریں نیازیؔ مسکین کا پاک صاف بدن

عطا ہو صورت قدسی اگر دل روشن
گلاب و مشک سے دھوئیں ہزار سال دہن

زباں بحمد کشودن کمال بے ادبی است

بجائے خامہ اگر ہوں جہان کے اشجار — دوات چرخ بریں ہو مداد جملہ بحار
بجائے صفحہ قرطاس ہوں یہ لیل و نہار — لکھیں جن و ملک وانس تا بہ روز شمار

ادائے شمۂ اوصاف آوز لوا نعجی است

جس طرح خدا کی تعریف کما حقہ نہیں ہو سکتی اُسی طرح اُس کے پیارے حبیب کی نعت بھی ناممکن ہے کیونکہ ان کی ذات اور صفات اور شان ہی کا سمجھنا اولاً دشوار ہے ثانیاً سمجھ کر ان کی تعریف کرنا اور بھی دشوار ہے۔ غرضیکہ جس طرح خدا کی شان بمثل ہے اُسی طرح اُس کے حبیب کی ذات بھی بے مانند ہے رسول کی صرف اسی قدر شان نہیں ہے کہ چودہ سو برس کا زمانہ گذرا کہ مکہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں ہجرت کر کے آرہے اتنے غزوات فتح کیے مخلوق کی ہدایت فرمائی اور مدینہ میں وفات پائی مسلمانی درکتاب و مسلمانان درگور اصل یہ ہے کہ ؎

محمدؐ سر قدرت ہے کوئی رمز اسکی کیا جانے — شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

پہلے (محمدؐ) کے معنی سمجھ لینے کی ضرورت ہے اس کے مطلب کو صوفیہ کرام سے دریافت کرنے کی حاجت ہے کیوں کہ ان کی حقیقت کو سوائے ان کے کوئی نہیں جان سکتا۔ سنئیے:۔ محمدؐ اسم مفعول ہے تحمید کا جو مصدر ہے باب تفعیل سے اور باب تفعیل کے خواص میں سے ایک خاصہ تحویل ہے اور تحویل کے معنی ہیں کسی شے کو عین ماخذ یا مثل ماخذ کے کر دینا اور چونکہ تحمید کا ماخذ حمد ہے اس صورت میں محمدؐ کے یہ معنی ہوئے کہ جو صاحب اس نام سے موسوم ہیں وہ تحمید کے ماخذ یعنی حمد بنا دیے گئے ہیں اور حمد کیا ہے جنس اور حقیقت اور ماخذ محامد اور اوصاف کا جب آپ کی ذات با برکات تمام محامد اور اوصاف کی ماخذ ہوئی تو آپ بھی متجمع جمیع صفات غیر متناہی ہوئے۔ پس حبیب اللہ اور محمدؐ کے دونوں اسما صاحب اوصاف غیر متناہی ہیں تو ؎

محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی
خدا سے پوچھئے شانِ محمدؐ

انسان کی کیا طاقت کہ ذات محمدیہؐ کو جیسی وہ فی الحقیقت ہے اُس کو سمجھ سکے لہٰذا رسول اللہ صلعم نے اپنے آپ کو سمجھا دیا ہے کہ میں کون ہوں اور میری کیا شان ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ انا من نور اللہ و کل شیٔ من نوری یعنی میں اللہ کا نور ہوں اور کل چیزیں میرے نور سے بنی ہیں ؎

جلوۂ نوری نمودہ نور احمدؐ نام ساخت   پس بود احمد احد از روئے ایں گفتار یار

کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

خدا مصطفےٰ کے کنہہ میں ادراک عاجز ہے   محمدؐ کو خدا جانے خدا کو مصطفےٰ جانے

جس طرح خدا بے شبیہ و بے مانند اور اس کا رسولؐ بے نظیر و بے مثال ہے اُسی طرح اُن کے یار و اصحاب بھی بے مثل اور لاجواب ہیں ہر ایک کے مناقب جو احادیث اور آیات قرآنی میں جدا جدا مرقوم ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ صحابہ کرام نجوم ہدایت ہیں کیونکہ ان کی شان میں حدیث اصحابي کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم شاہد عدل ہے یوں تو سب صحابہ واجب التعظیم ہیں مگر بحکم فضلنا بعضکم علیٰ بعض گروہ صحابہ میں عشرہ مبشرہ اور پھر ان میں اصحاب اربعہ مخصوص و ممتاز ہیں۔ اُن کی ترتیب خلافت برحق اُن کی محبت عین ایمان اُن سے بغض و عداوت رکھنا باعث خذلان۔ اُن کی ذات بابرکات جامع کمالات صوری و معنوی ان کے محامد و فضائل غیر متناہی غرضکہ ع

ہر فضیلت کے یہ جامع ہیں نبوت کے سوا

ان اصحاب اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں خلیفہ اول صداقت کے لیے خلیفہ دوم عدالت کے لیے خلیفہ سوم حیات و مروت کے لیے۔ خلیفہ چہارم ولایت کے لیے خصوصیت کے ساتھ معروف و مشہور ہیں بھائیو! یہی منصب ولایت وہ منصب ہے جس سے سلسلہ طریقت اور تعلیم معرفت و حقیقت وابستہ ہے اسی وجہ سے اور نیز بوجہ عینیت و خصوصیات خاص صوفیہ کرام کو حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کے ساتھ خاص اُلفت و محبت بے نیازی ہے ؎

ہر صحابہ سے ہے بڑھ کر عز و شانِ چار یار
مدح خواں سب کا ہوں لیکن ہوں نثار بوتراب

جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درگاہ خداوندی سے جب علم باطن جس کو توحید و علم حقیقت و علم تصوف بھی کہتے ہیں تفویض ہوا تو بمصداق انا مدینۃ العلم و علی بابھا مولائے کائنات ہی اس علم کے دروازے قرار پائے اور پھر وہی علم سینہ بسینہ ہوتا ہوا اولیاء امت ہیں کہ صیغۃ من صیغۃ اور آیۃ من آیاۃ اللہ ہیں پہونچا۔ جب یہ علمائے باللہ جو اولیاء اللہ کے نام سے موسوم ہیں فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جاتے ہیں۔ تو ان کے مراتب عالیہ اور اوصاف کمالیہ کی کوئی حد و نہایت ہی نہیں رہتی ان کی ذات سے جس طرح کی بھی خوارق عادات ظاہر و صادر ہوں نا ممکن نہیں۔ خداوند عالم کی طرف سے ان بزرگوں کو ایسی قوت عطا ہو جاتی ہے ادنیٰ توجہ میں مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن کر دیتے ہیں سے

ہست قدرت اولیاء را از الہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ

مگر اس وجہ سے کہ یہ لوگ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی منزلیں طے کئے ہوئے ہوتے ہیں اور مرضی الٰہی سے واقفیت رکھتے ہیں لہٰذا خلاف منشائے خداوندی زبان نہیں کھولتے جتنی اس کی مرضی ہوتی ہے اُسی قدر یہ بھی کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کہلاتا ہے یہ کہتے ہیں اور جو کچھ وہ کراتا ہے یہ کرتے ہیں۔ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ کے پورے پورے مصداق ہوتے ہیں سے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ سابق کے اولیاء اللہ سے تو بکثرت خوارق عادات اور کرامات صادر ہوا کرتے تھے۔ مگر اب شاید کتمان کا حکم ہو گیا ہے اولیائے کاملین سے کرامات و خوارق عادات کم ظہور میں آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

چنانچہ ہمارے پیرومرشد فانی فی اللہ باقی باللہ زبدۃ العارفین سراج السالکین مولانا مرشدنا **حضرت شاہ محی الدین احمد چشتی قادری** بریلوی رضی اللہ عنہ بھی اپنی کرامات اور خوارق عادات کا بہت کتمان کیا کرتے تھے اور ہر اپنی کرامت کو افضال خداوندی اور عنایت پیران عظام کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے کبھی ایسا موقع نہیں آنے دیتے تھے کہ کوئی شخص بلفظ کرامت یا خرق عادات آپ کو منسوب کرسکے مگر آفتاب آمد دلیل آفتاب، کوئی روز روشن اور شب ماہ کو کیونکر چھپا سکتا ہے بدیہیات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لامحالہ اقرار ہی کرنا پڑتا ہے۔ خود واقعات شاہد حال ہوا کرتے تھے۔ حضرت کی ذات بابرکات جامع علوم صوری ومعنوی تھی اپنے اندر مثل اسم ذات کے مفہوم واحد اور اوصاف کثیرہ رکھتے تھے۔ آپ سے کرامات اور خوراق عادت کا ظہور میں نہ آنا ہی تعجب تھا کیونکہ الولد سر لابیہ مشہور ہے۔ آخر آپ اسی کے تو منظور نظر اسی کے تو لخت جگر اسی کے تو جانشین صوری ومعنوی ہیں جس کا لقب مظہر العجائب والغرائب ہے۔ باپ سے لاکھوں خرق عادات وعجائبات ظہور میں آئے تو لائق بیٹے سے بھی چند کرامات کا صادر ہونا لازمی اور ضروری تھا۔ نیازی ؎

ہمارے مرشد و مولانا میں ہے نشانِ علی — ہے اُن کی شکل پُرانوار پر گمانِ علی
ہے نور شاہ ولایت سے جب خمیر اُن کا — عیاں ہو عارضِ تاباں سے کیوں نہ شانِ علی

یہ اشعار شاعرانہ مبالغہ سے خالی اور واقعات پر مبنی ہیں۔ آپ میں نسبت خالصہ مرتضویہ جس قدر غالب تھی اس کا اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے جب آپ کی عادات واطوار کو حضرت مولائے کائنات کے اطوار و عادات سے مطابق کرکے دیکھا جائے۔ چہرہ اقدس سے انوار وبرکات مرتضوی ہم ظاہر بینوں کو بھی بدیہی طور پر نظر آتے تھے۔ نیازی ؎

سراپا شانِ حیدر کی ہے ان کی شکل نورانی — یہ سیرت مثل پیغمبر بصورت مرتضٰے ثانی
تعالی اللہ چہرہ ہے کہ نور حق کا مطلع ہے — تصور ہی سے اس کے دل کا آئینہ ہے نورانی
چراغِ خاندانِ مرتضٰی ہے ذات پاک اُنکی — یہی ہے بالیقیں چشم وچراغِ شیر یزدانی

مولائے کائنات کی ایک یہ بھی شان تھی کہ بڑے بڑے سلاطین اور بہادران جنگ آزما حضور میں آتے ہوئے تھر تھر کانپتے تھے۔ مارے خوف کے نظر برابر نہیں کر سکتے تھے۔

شجاعت پر علیؓ کے سب تھے ششدر   دلاور کانپتے تھے ان سے تھر تھر
انھیں کے زور کا شہرہ تھا گھر گھر   لقب حق سے ملا تھا ان کو صفدر
علی کا مرتبہ اللہ اکبر

ہو بہو یہی شان ہمارے حضور سراج السالکین کے ہیبت و جلال کی تھی۔ آپ کے چہرہ مبارک سے اسقدر رعب حق غالب تھا کہ بڑے بڑے والیانِ ملک اور علمائے ظاہر اور فقرائے باطن اور شجاعان و بہادران زمانہ سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے۔ طرفِ مقابل کو لب کھولنا دشوار ہوتا تھا۔ باوجود اس کے کہ ہمارے سرکار نہایت خندہ پیشانی اور ہنس مکھ تھے مگر چہرہ مبارک سے ہیبت حق اس درجہ نمایاں تھی کہ دوسرا مرعوب اور خائف ہوتا تھا۔ نیازی کا سے

تمہارے چہرہ سے ہے شانِ حیدری پیدا   تمہارے دست قوی میں ہے زور دستِ خدا
تمہارے فرق جبیں سے عیاں ہے صولتِ حق   تمہارے چہرہ سے ظاہر ہے ہیبتِ مولا
تمہیں ہو دلیر و دلبند فاتح خیبر
تمہیں ہو نائب و فرزند شاہ قلعہ کشا

ہمارے حضور سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ سیرت محمدیہ اور صورت حیدریہ رکھتے تھے۔ باوجود اس قدر رعب و سطوت حیدری کے حلق محمدی اس قدر غالب تھا کہ وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم کے سراپا مصداق تھے۔ آپ کی ذات بابرکات سے جس قدر خرق عادات اور کرامات ظہور میں آئیں ممکن نہیں کہ احاطہ تحریر میں آسکیں کیونکہ آپ کے مریدین اور معتقدین اور متوسلین خاندان کا سلسلہ علی غیر النہایت ہے۔ علاوہ ہندوستان کے اور ممالک اور جزائر میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ نیازی کا سے

ہر ایک شخص انکو اپنا پیشوائے دین سمجھتا ہے عرب کا رہنے والا ہو کہ ہندی ہو کہ ایرانی
آپ کی عنایت و دستگیری اپنے مریدوں اور ارادت مندوں کے ساتھ آپکے حیات
ظاہری تک ہی محدود نہ تھے بلکہ بعد پردہ پوشی اس عالم سے اب بھی اُن کی اعانت
وامداد حسب استعداد و عقیدت اُن کے جملہ مقامات پر بلا تفریق قریب و بعید
جہاں کہیں بھی ہوں برابر ہوا کیں اور ہوا کرتی ہیں اور ہوا کریں گی۔ لہٰذا ان سب کا
یکجا کرنا غیر ممکن ہے۔ صرف وہ کرامات اور خرق عادات جو بحالت حیات ظاہری
آپ سے ظہور میں آئی اور جو بروایات صحیحہ پایۂ ثبوت کو پہونچیں۔ مثل نمونہ از خروارے
و یکے از صد ہزارے اس رسالہ کے آخر میں درج کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالے
وما توفیقی الا باللہ ط

امابعد

کہتا ہے کہ کمترین خلایق بے ہیچ سگ آستانہ نیازیہ۔ گوشہ نشین زاویہ۔ گمنامی
گم گشتہ بادیہ حیرت سوختہ آتش فرقت سربگریبانِ ندامت۔ احقر المریدین بندۂ
حضور سراج السالکین سید قطب الدین چشتی نظامی نیازی بریلوی مقیم
و خادم خانقاہ غازی پور ثبتہ اللہ تعالیٰ محبت المرشد و شرفہ بکمال
متابعتہ آج سے ۵۰-۵۱ برس ہوئے کہ یہ غلام حضور سراج السالکین کے غلامی
میں قبول کیا گیا ؎

للہ الحمد کا فرید مرا — از ہمہ خلق برگزید مرا
بندۂ عبید از کس نخرد — او بصد عیبہا خرید مرا

اُس وقت سے تا حیات ظاہری سرکار مرشدی ہر سال بہ تقریب عرس جد طریقت
حضور قبلہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلوی رضی اللہ عنہ یہ غلام برابر حاضر خدمت
ہوتا رہا اور حاضری خدمت اور اجتماع کلام مرشدی کو ضروری اور مقدم اور نتیجہ حاضری

خانقاہ سمجھتا تھا لہٰذا جب تک حضرت خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے اُس وقت تک شب و روز برابر حاشیہ نشین بزم ارشاد رہا کرتا تھا اور ہر قسم کے کلام جو خلوت اور جلوت میں ہوا کرتے تھے اُس کو سُنا کرتا تھا اور چونکہ میں نے ملفوظات خواج گانِ چست کو دیکھا تھا جس سے مجھے معلوم تھا میرے پیشوایان خواجگان چشت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنے اپنے مرشدوں کے حالات و ارشادات و ملفوظات جو دیکھا اور سنا کرتے تھے ان کو کتاب کی صورت میں لکھ کر جمع کر لیا کرتے تھے اور اس امر کو میرے پیشواؤں نے نہایت پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا ہے اور اس کی بہت فضیلت بیان کی ہے لہٰذا بہ اتباع و بہ تقلید خواجگانِ چشت یہ غلام بھی اپنے مرشد کے ارشادات اور ملفوظات کو کبھی اپنے صفحہ دل پر اور کبھی صفحہ کاغذ پر لکھ لیا کرتا تھا۔ گو بلفظہ تو یاد رہتا نہیں تھا مگر اس کے مفہوم اور خلاصۂ کلام کو ذہن نشین کر لیا کرتا تھا اور بستر پر لیٹ کر حضرت کے کلام پُر انوار سراج الحقیقت کے لمعان و شعشان سے دیدۂ دل کو منور کیا کرتا تھا اور جب بریلی شریف سے واپس مکان ہوتا تو شب کو جب کاروبار دنیاوی سے فرصت پاتا تو اس وقت مثل آموختہ کے اُس لکھے ہوئے مضامین کو ہمیشہ دیکھ لیا کرتا تھا اور بے لکھے ہوئے کو سوچ لیا کرتا تھا اور اس کے مفہوم سے اپنا مطلب حاصل کر لیا کرتا تھا اور اپنی معلومات میں ترقی دے لیا کرتا تھا۔ اور اپنے احباب اور یارانِ طریقت سے اثنائے گفتگو میں اُس تقریر کو وقتاً فوقتاً اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بیان کیا کرتا تھا اور اُس کے مطالب و مفہوم عبارت میں اور اپنے حروف اور لفظوں کا لباس پہنا کر پیش کیا کرتا تھا اور اپنے متوسلین سلسلہ کو تعلیم کر دیا کرتا تھا۔

سبب تالیف کتاب

جب ہمارے سرکار سراج السالکین اس عالم سے تشریف لے گئے تو وہ صدائے

سرمدی جو ترجمان آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبویؐ تھی اور جس کے سننے کے یہ کان آشنا مسدود ہو گئے تو دل کو ایک طرح کی پریشانی لاحق ہوئی اس وقت ناگاہ آئینہ جمالِ مرشدی سراپا سیرت وشان، جسم وجانِ مولائی حضرت شاہ **محمد تقی عرف عزیز میاں** صاحب قبلہ دام فیضانہ سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ نے جن کی ذات وکلام اقدس عین سرکار کی ذات و کلام ہے بصورت وبصورتِ عزیزی جلوہ گر ہو کر ارشاد فرمایا کہ حالات وکرامات وملفوظات حضور سراج السالکین کے جن جن غلامانِ طریقت کو صحیح صورت میں معلوم ہوں ان کو قلمبند کر کے پیش کریں۔ چنانچہ اسی وقت سے میں نے اپنے دل و دماغ سے مدد لینا شروع کی اور بہ تعمیل حکم عالی جو غلام کی کتابت میں آچکا تھا اور بقیہ جو یاد میں وقتاً فوقتاً آتا گیا ان کو بھی تھوڑا تھوڑا قلمبند کرتا رہا گو وہ ارشادات وملفوظات مرشدی جو آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمائے تھے۔ بلفظہ تو یاد نہیں رہے تھے مگر اس کے مفہوم اور اس کے مطالب اپنی سمجھ کے مطابق جو دل و دماغ میں میرے باقی رہ گئے تھے ان کو اپنے لفظوں میں لکھ دیئے۔ لہٰذا ناظرین رسالہ کی خدمت میں دست بستہ گذارش ہے کہ الفاظ یا مضامین میں جو کچھ غلطی واقع ہو اس کو برائے مہربانی میری غلطی۔ میری کم لیاقتی۔ میری ناقص الفہمی۔ میری بے علمی پر محمول فرمادیں۔ میرے پیر ومرشد کی طرف اس کو منسوب نہ کریں کیونکہ حضرت کی ذات بابرکات غلطیوں سے پاک تھی کیونکہ آپ علاوہ عالم باطن ہونے کے علوم ظاہری میں بھی اتنے بڑے محقق اور علامہ روزگار تھے کہ بڑے بڑے علماء ظواہر آپ کے سامنے لب نہیں کھول سکتے تھے۔ لہٰذا آپ کی ذات عالی پر غلطی کا احتمال کرنا بھی غلطی ہے اب میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اقوال وعادات و صفات وملفوظات مرشدی کے تحریر کرنے میں مجھ سے کوئی غلطی صادر نہ ہوا اور جو مضامین میرے قلم سے نکلیں وہ حضرت پیر ومرشد کے منشار کے عین مطابق وموافق ہوں اور شریعت وطریقت کے خلاف نہ ہوں اور نہ قیامت کے روز خدا و رسول اور اپنے پیر و مرشد اور تمام پیران کے حضور میں مجھ کو سخت شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ اللھم

احفظنا من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا اب ناظرین والاتمکین کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر آپ کو یہ تحریر پسند آئے اور اس سے آپ محفوظ ہوں تو اس کو بھی میرے شیخ ہی کا تصرف سمجھیں اور مجھ کم مایہ اور بے علم کی محنتِ شاقہ پر لحاظ فرما کر دعائے مغفرت سے محروم نہ فرمائیں یہ عاجز مسکین ۷۰ برس کا بوڑھا کوئی اہل زبان نہیں یورپ کا رہنے والا ہے۔ اگر میری تحریر عبارت میں کوئی غلطی یا سہو ونسیان پائیں تو براہ کرم میری ہیچمدانی و بے مائیگی پر نظر کر کے اس کی اصلاح فرمائیں اور مجھکو معذور سمجھیں العذر عند کرام الناس مقبول ؕ وتوکلت علی اللہ وھو حسبی نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ؕ

جاننا چاہیے کہ وجود باوجود اولیائے کرام و پیران عظام ایک نعمتِ عظمیٰ و عطیہ کبریٰ ہے لہٰذا بموجب آیہ کریمہ واما بنعمۃ ربک فحدث اس نعمتِ عظمیٰ کی شکر گزاری واجب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ انسان ہمیشہ ان کی محبت میں رہے اور ان کا ذکر خیر کرتا رہے جس نے اس نعمت بے بہا کی شکر گذاری نہ کی اس نے درحقیقت خدا کو نہ پہچانا اور نہ اس کا حق ادا کیا جیسا کہ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہر کس کہ کمال اولیا نشناخت
وین نعمت خاص بے بہارا نہ شناخت

پس شکر نہ گفت و حب ایشانہ گزید
میدان بہ یقین کہ او خدارا نہ شناخت

واضح ہو کہ

افضل ترین عبادات و موثر ترین حالات ذکر اہل کمال و صحبت و مجالست مقربان درگاہ ذوالجلال ہے جیسا کہ مولائے روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

یک زمانے صحبت با اولیار
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

گر تو سنگ خارہ و مرمر بوی
چوں بہ صاحبدل رسی گوہر شوی

ذکر خیر دوستان خدا کو غیرت آتی ہے کہ میری دوستی کے سبب سے میرے دوست کا ذکر اس میرے بندے نے کیا ہے تو میں بھی اپنے دوست کی خاطر سے اس کو دوست رکھوں پس قادر کریم ذکر ذاکر سے زبان بندگان کو سالہا سال رطب اللسان رکھتا ہے بلکہ سلسلہ بسلسلہ قیامت تک وہ اس ذاکر کے ذکر کو وسعت دیتا ہے بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ؎

چو من بخیر کنم یار رفتگان دارم   امید آنکہ مرا ہم بخیر یا کنند
چو شاد میکنم از رواح دیگران شاید   کسان رسند و مرا نیز روح شاد کنند

اگر دولتِ صحبت و سعادت مجالست اولیاء اللہ میسر نہ ہو تو ذکر و تذکرہ بزرگان دین بھی مثل صحبت اولیاء اللہ کے ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص بعد انقضائے فصل و گل بوئے گل سونگھنا چاہے تو سوائے اس امر کے کوئی چارہ نہیں کہ گلاب جس میں اسی پھول کی خوشبو ہے سونگھئے وہی لطف حاصل ہوگا۔ اسی طرح صحبتِ رسول اللہ کا طالب فیضانِ صحبت اولیاء اللہ سے اسی طرح اثر و فیضان حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ خود صحبت رسول اللہ صلعم سے۔ اگر صحبت اہلِ بیت رسولؐ و خلفائے رسولؐ و قائمقامان رسولؐ میسر نہ ہو سکے تو ان لوگوں کے ذکر سے بھی نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ جو ان کی صحبت بابرکت سے ہو سکتا تھا اسی مضمون کو حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

چونکہ شد از پیش دیدہ وصل یار   نایبے باید ازو ماں یادگار
چونکہ گل بگذشت گلشن شد خراب   بوئے گل را از کہ یابیم از گلاب
چونکہ شد خورشید مارا کرد داغ   چارہ نبود بر مقامش جز چراغ
چوں خدا اندر نباید در عیاں   نائب حق اند ایں پیغمبراں

چوں سپہر گشت پنہاں زین جہاں
لطف گیر از نائب پیغمبراں

گر صحبت اولیاء اللہ میسر نہ ہو تو ان کا تذکرہ ان کے احوال و اقوال کا ذکر ہی فیضان حاصل

کرنے کے لیے کافی ہے۔ تذکرہ بزرگانِ دین بھی ایک طرح پیران کی صحبت ہے۔ اور ہمت افزائی اور ظلمت زدائی میں اس کی وہی تاثیر ہے جو ان کی صحبت کی ذکر محبوبان خدا اور محبانِ درگاہ خدا میں بہت سے فائدے ہیں۔

ایک: یہ کہ ذکر دلیل محبت ہے اور محبت محب کو محبوب تک پہونچا دیتی ہے۔ المرء مع من احب اسی موقع اور محل کے لیے وارد ہے۔

دوسرے یہ کہ ذکر اولیاء اللہ باعثِ اصول قربت درگاہ رب العزت ہے کیونکہ محبوب کو ذکر اپنے محب کا مرغوب اور محب کو یاد اپنے محبوب کی ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ ذکر صلحاء موجب نزول رحمتِ الٰہی ہے عند ذکر الصالحین تنزل الرحمہ۔

چوتھے یہ کہ لوگوں نے حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ ذکر مردان راہ خدا سے سننے اور پڑھنے سے کیا فائدہ ہے جب کہ اس پر عمل نہ ہو سکے فرمایا کہ اس حالت میں بھی دو فائدے ہیں اول یہ کہ اگر وہ طالب خدا ہے تو اس کی ہمت اور طلب بڑھ جائے گی اور اگر اس کو اپنی عبادت اور ریاضت و مجاہدہ پر غرور ہو گا تو بزرگان دین کے حالات و عبادات معلوم کر کے اس کے دماغ سے وہ غرور جاتا رہے گا جیسا کہ حضرت شیخ محفوظ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لا تزنِ الخلق بمیزانک وتزن نفسک بمیزان المؤمنین لتعلم فضلھم وافلاسک یعنی تم خلق کو اپنی ترازو میں مت تولو بلکہ اپنے آپ کو مردان راہ خدا کی ترازو میں تولو تاکہ ان کی زیادتی عبادت اور اپنے افلاس عبادت کو جان لو۔

پانچواں یہ کہ کسی نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مرید کو حکایات و روایات بزرگان دین سے کیا فائدہ پہونچتا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ لشکری ہیں۔ لشکر ہائے خدا سے مرید کو ہمیشہ ان سے مدد پہونچتی رہتی ہے۔ اگر مرید کا دل شکستہ اور ضعیف ہوتا ہے تو قوی ہو جاتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے :۔
وَکُلاًّ نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَانُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ یعنی اے میرے پیارے محمدؐ یہ قصے اگلے پیغمبروں کے تمہارے سامنے اس لیے بیان کرتا ہوں کہ تمہارا دل اس سے آرام حاصل کرے اور قوی تر ہو جائے۔
چھٹے یہ کہ :۔

ذکر نیکو رفتگاں دارد ثواب — عاصیاں رامی رہاند از عذاب
چوں بہ نیکو رفتگاں در ساختم — ہم نشینانِ ملائک یافتم
ہر کرا باشد محبت با خدا — کے بداند و اصلانش راجدا
ذکر ایشاں ذکر آں یزداں بود — یاد نیکاں یاد آں سبحاں بود

چونکہ ذکر خیر اولیاء اللہ موجب نزول رحمت الٰہی اور سبب توجہ رسالت پناہی ہے اور تذکرہ محبوبانِ خدا مقبولان کبریا عین ذکر اللہ ہے جو بہ سبب اضافت اور فنائیت کے ظاہر و باہر ہے لہٰذا تحریر احوال دوستانِ خدا کو عبادت اور توشۂ سفر آخرت سمجھتا ہوں لہٰذا جو حضرات کہ فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ اور ہم رنگ صبغتہ اللہ اور متصف بہ اخلاق اللہ ہیں ان کا ذکر مندرج تحریر کرتا ہوں اگرچہ کل اولیاء اللہ کنفس واحد ہیں ان میں سے ہر ایک کے ذکر کو عبادت جانتا ہوں مگر بمقتضائے من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے وہ اُس کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ لہٰذا بوجہ خصوصیات اور تعلقات صوری و معنوی مناسب معلوم ہوا کہ ابتدائے ذکر خیر کی تحریر حالات و تسطیر ملفوظات و کرامات اپنے پیر و مرشد مولائے دو جہاں روحی فداہ سے کروں کیونکہ وہ اٰیۃٌ مِّنْ اٰیاتِ اللہ اور طیقہ اولیاء اللہ سے ہیں۔

ہیہات من از کجا و ایں یار کجا — درخور دمن ضعیف ایں بار کجا
اوصاف کرامت ز شمار افزون است — در طاقت تحریر منِ زار کجا

جب میں نے ذکر خیر کے فوائد بے غایت پر نظر ڈالی تو میری ہمت بڑھ گئی۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور مرشد پاک کی عنایت کا بھروسہ کر کے بمصداق اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ تعالیٰ اس کام کے واسطے کمر ہمت چُست باندھی تو میرے شیخ نے میری دستگیری کی اور مضامین کا چشمہ سینہ میں اُبلنے لگا۔

چونکہ حالات بزرگان چست حضرت رسول اللہ صلعم سے لے کر حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی رضی اللہ عنہ تک ہمارے بزرگانِ پیش تحریر کر چکے ہیں اُس کے بعد حضور قبلہ حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات اور مولانا مرشدنا حضور تاج الاولیاء حضرت **شاہ نظام الدین حسین چشتی** بریلوی رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات ہمارے خاندانِ طریقت کے اعلیٰ رکن مخدومی حضرت مولانا مولوی خلیفہ محمد فایق صاحب قدس سرہٗ **کرامات نظامیہ** میں لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا اس ہیچمدان کمترین مریدین نے یہ رسالہ جس میں حالات و کرامات صرف **سراج السالکین حضرت شاہ محی الدین احمد** چشتی قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کے درج ہیں بطور ضمیمہ و تتمہ کرامات نظامیہ مسمیٰ بہ تذکرہ **سراج السالکین** تحریر کیا ہے۔ خداوند کریم میری سعی کو مشکور فرمائے میں نے اس رسالہ میں تاریخی واقعات و کرامات صرف بقدر ضرورت اکتفا کی ہے۔ البتہ اخلاقی و معاشرتی حالات و کلمات طیبات و ملفوظات و کرامات و اُسوۂ حسنہ کے بہم رسانی میں جس قدر کوشش و محنت ممکن ہو سکی صرف کی ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر اخلاق و عادات مُریدین کی درستگی کا کوئی آلہ نہیں ہو سکتا اور سالک کو اس کی تبعیت اور پیروی کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسی کی پیروی و اتباع سے طالبانِ حق منزلِ مقصود کو پہونچتے ہیں۔ میں نے بعد حمد و نعت و تمہید کے اس کتاب کو پانچ بابوں میں تقسیم کیا ہے۔ **باب اوّل** کا نام باب النور

ہے۔ جس میں آپ کے ذاتی و خاندانی حالات درج ہیں۔

باب دوم جس کا نام باب العادات والافعال ہے اس میں آپ کے اسوۂ حسنہ و عادات و صفات و معمولات تحریر کئے گئے ہیں۔

باب سوم جس کا نام باب الاقوال والارشاد ہے۔ اس میں آپ کے ارشادات و ملفوظات جو وقتاً فوقتاً آپ نے فرمائے ہیں تحریر کئے گئے ہیں۔

باب چہارم جس کا نام باب الکرامات ہے۔ اس میں مختصر حالات آپ کے کشف و کرامات اور خوارق عادات کے جو ظہور میں آئے ہیں لکھے گئے ہیں۔

باب پنجم جس کا نام باب الوفات ہے اس میں آپ کے وفات کی مفصل کیفیت اور حالات درج کیے ہیں۔ وَمَا توفیقی الا باللّٰہ۔

بَابُ النور

ذاتی و خاندانی حالات

آپ قطب الارشاد، فرد الافراد۔ ولی مادر زاد۔ حجت الاولیاء۔ برہان الاتقیاء مہر سپہر توحید۔ گوہر بحر تجرید۔ قدوۃ اصحاب طریقت۔ زبدہ ارباب حقیقت۔ صاحب تصرف منظہر خوارق۔ صاحب ذوق و شوق وجد و حال شائق سماع۔ اہل کمال تھے۔ شان عظیم اور جذب قوی اور نظر موثر اور رحمت قاطع اور تصرف غالب رکھتے تھے۔ مہر و لطف سے جو کچھ فرماتے یا خیال مبارک میں لاتے اس کا ظہور اسی وقت ہو جاتا تھا۔ صاحب کرامات نظامیہ لکھتے ہیں کہ سراج السالکین حضرت شاہ محی الدین احمد قدس سرہ العزیز منجانب سلسلہ آبائی سید علوی ہیں۔ کیونکہ آپ کا نسب شریف بواسطہ محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ حضور مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتا ہے اور منجانب دادی صاحبہ سید نبی فاطمہ رضوی ہیں۔ مگر خود ہمیشہ فرماتے تھے کہ میں غلام سادات بنی فاطمہ ہوں اور تمام عمر کسی طرح سے اپنی نسبت کلمہ سید کا اپنی زبان سے کبھی نہیں نکالا اور نہ کسی دوسرے کو نکالنے دیا۔ آپ کے اجداد شاہانِ بخارا سے تھے۔ جن کا پایہ تخت اندی جان میں تھا۔ آپ کے اجداد میں حضرت شاہ آیت اللہ علوی ترک سلطنت کر کے ملتان تشریف لائے تھے۔ کچھ زمانے کے بعد

اُن کے پوتے شاہ عظمت اللہ علوی ملتان سے ترک وطن کر کے سرہند میں قیام پذیر ہوئے بعد ازاں حاجی الحرمین حضرت شاہ رحمت اللہ علوی شاہ عالم کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے۔ یہ واقعہ غالباً ۱۱۶۰ھ کا ہے۔

بقول صاحب کرامات نظامیہ نسب نامہ آپ کا غدر ۱۸۵۷ء میں کتب خانہ کے ساتھ تلف ہو گیا۔ لہذا حالات من اولہ الیٰ آخرہ سلسلہ وار بیان نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ مگر جس قدر خود حضرت کی زبان مبارک سے معلوم ہوا درج کیا جاتا ہے۔

حضور سراج السالکین حضرت شاہ محی الدین احمد چشتی قادری بریلوی رضی اللہ عنہ۔
ابن تاج الاولیاء حضرت شاہ نظام الدین چشتی بریلوی رضی اللہ عنہ
ابن قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علوی چشتی بریلوی رضی اللہ عنہ۔
ابن حاجی الحرمین حکیم الٰہی حضرت شاہ رحمت اللہ علوی سرہندی رضی اللہ عنہ۔
ابن حضرت شاہ عظمت اللہ محقق علوی سرہندی رضی اللہ عنہ۔
ابن حضرت شاہ ابراہیم علوی ملتانی رضی اللہ عنہ۔
ابن حضرت شاہ حکمت اللہ علوی ملتانی رضی اللہ عنہ۔
ابن حضرت شاہ آیت اللہ علوی اندی جانی رضی اللہ عنہ۔
ابن حضرت شاہ حکمت اللہ علوی اندی جانی رضی اللہ عنہ۔
ابن حضرت شاہ احمد علوی اندی جانی رضی اللہ عنہ۔

ولادت

تاریخ ولادت باسعادت سراج السالکین حضرت شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں صاحب قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ۱۹ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۸ء وقت صبح صادق ہے۔

سید حسین شاہ خلیفہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں ایک رات آخر شب میں حضرت نیاز بے نیاز کے مزار کے قریب مراقب بیٹھا ہوا تھا۔ قبل صبح کیا دیکھتا ہوں کہ زنانہ مکان میں ایک آفتاب طلوع ہوا ہے میں گھبرا کر چونک پڑا کہ میری نماز صبح قضا ہو گئی جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہنوز اندھیرا ہے صبح صادق نہیں ہوئی ہے۔ اسی وقت مزار شریف سے ایک آواز میرے کان میں آئی کہ محی الدین احمد پیدا ہوا۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد حویلی سے خبر آئی کہ صاحبزادے صاحب پیدا ہوئے۔ بعد غسل قبل اس کے کہ ماں کی گود میں آپ جائیں۔ اول ان کو حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہٗ کے مزار پر لایا گیا۔ بروز عقیقہ حضرت تاج الاولیا قدس سرہٗ نے وہی نام تجویز فرمایا جو مزار شریف سے آواز آئی تھی۔ چونکہ یہی نام جناب قبلہ شاہ نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کا تھا۔ اس کے لیے آپ کی دادی نے اس نام کو پسند نہیں فرمایا لیکن حضرت تاج الاولیا نے یہی نام قائم رکھا۔ چونکہ آپ کو پیدا ہوتے ہی حضرت قبلہ کی درگاہ شریف میں ڈالدیا تھا۔ اس لیے آپ کی دادی صاحبہ تا زیست آپ کو درگا ہی کہتی رہیں۔

میرے والد بزرگوار حضرت مولانا مولوی خلیفہ شاہ محمد فضل کریم چشتی نیازی رحمۃ اللہ علیہ جو اجل خلفائے حضور تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضور تاج الاولیاء رحمۃ اللہ شکار کے لیے جنگل تشریف لے گئے تھے درہ پہاڑ سے ایک بزرگ سن رسیدہ کہ جن کے بال اور ناخن بڑے ہو گئے تھے۔ نہایت

ضعیف اور نحیف الجثہ ہاتھ میں مثل گاجر کے کوئی چیز لیے ہوئے آئے اور حضرت کے حضور میں پیش کی حضرت نے اس کو تناول فرما لیا۔ تھوڑی دیر تک خدا جانے تخلیہ میں کیا بات چیت رہی۔ آخر کار وہ وجد کرتے ہوئے پہاڑ کی طرف چلے گئے اور حضرت کو بشارت دے گئے کہ آپ کے صلب سے ایک فرزند ولی مادر زاد پیدا ہوگا۔ جو صاحب خدمت ولایت ہوگا۔

میرے والد صاحب قبلہ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ صغر سنی میں یعنی جب چھ برس کی عمر شریف تھی۔ آپ بچوں کے ساتھ دھول مٹی میں کھیل رہے تھے اس وقت ایک بہت بڑے بزرگ ولی کامل خانقاہ میں تشریف لا رہے تھے صاحبزادے صاحب کو راہ میں دھول مٹی میں کھیلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ آپ اتنے بڑے ولی کے لڑکے ہو کر دھول مٹی سے کھیلتے ہیں۔ آپ نے فوراً برجستہ جواب دیا کہ ابھی میری عمر دھول مٹی میں کھیلنے کی ہے جب وقت آئے گا تو اپنا اصلی کام کریں گے اس عمر کا اقتضا یہی ہے پھر فرمایا کہ مٹی سے نہیں کھیلتا ہوں بلکہ یہ دیکھتا ہوں کہ اس مٹی سے کیسی کیسی صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر مٹ کر خاک بن جاتی ہیں۔ یہ جواب سن کر اُن بزرگ نے اپنے مکاشفہ سے معلوم کر کے حضور تاج الاولیا سے فرمایا کہ آپ کا بچہ ولی مادر زاد ہے اپنے وقت کا ولی کامل ہوگا۔ جب بچپنے میں ایسی سمجھ کی باتیں کرتے ہیں تو عقل کامل آنے پر کیا کچھ نہ کریں گے اور کیا کچھ نہ کہیں گے۔

جب آپ کی زبان کھلی تو اوّل آپ کو کلمہ توحید سکھایا گیا اس کے بعد جب اور سمجھ آئی تو وحدۃ الوجود کی تعلیم اس طرح کی گئی کہ تم لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہتے تو ہو جانتے بھی ہو۔ اللہ کس کو کہتے ہیں اور وہ کہاں ہے اور محمد صلعم کون ہیں اور آن کی کیا حقیقت ہے اس مضمون کو حضور تاج الاولیا نے اس طرح سمجھایا اور آپ نے اس طرح سمجھا کہ جیسے سمجھنے کا حق ہے۔ بچپن ہی میں آپ کے قول و فعل اور چہرے سے آثار بزرگی و ولایت کے

ظاہر تھے ؎

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

تعلیم

اس طرح کی تعلیم تو صغر سنی میں قبل بیعت بطور مشغلہ کے تھی۔ اب تعلیم و تربیت ظاہری کا حال سنئے۔ کہ پہلے آپ کی تربیت کے لیے حضور قبلہ کے اجل خلفاء میں سے مولانا عبید اللہ صاحب بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ متعین کیے گئے جو علاوہ علوم باطنی کے علوم ظاہری میں علامہ روزگار تھے۔ ان کے تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ ساری درسیات ازبر تھیں۔ حدیث تفسیر کے اتنے بڑے ماہر تھے اور ایسی یادداشت قوی رکھتے تھے کہ ہزاروں حدیثیں ان کے زبان پر تھیں وہ اپنے پیر و مرشد کی محبت میں ترک وطن کرکے خانقاہ میں رہا کرتے تھے۔ مولانا موصوف حضرت کو اپنا مرشد زادہ سمجھ کر ہر وقت آپ کی تربیت اور تعلیم میں دل و جان سے مصروف رہا کرتے تھے۔ جب آپ کی بسم اللہ ہوئی تو موافق رسم خاندانی کے پہلے بسم اللہ کہہ کر شیخ نے حضرت کے ہاتھ اپنا رکھا پھر ان کو سورہ اقرار پڑھائی کیونکہ ہمیشہ سے اس خاندان کا یہ دستور چلا آتا ہے کہ جس کو اپنا سجادہ نشین اور قائم مقام کرنا ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں ورنہ بلا ہاتھ پکڑے ہوئے بسم اللہ پڑھا دی جاتی ہے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہیں رکھا جاتا چنانچہ یہی طریقہ حضور سراج السالکین نے اپنے فرزند **حضرت عزیز میاں** صاحب قبلہ کے ساتھ اختیار کیا کہ بسم اللہ پڑھانے کے وقت ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا گویا اسی وقت منشار سجادگی ظاہر فرما دیا لہٰذا اسی وقت سمجھنے والوں نے سمجھ لیا کہ بعد آپ کے وصال کے حضرت عزیز میاں ہی آپ کے سجادہ نشین ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بعد

بسم اللہ فاتحہ ہوئی اور شیرنی تقسیم کی گئی۔ آپ کو ذہن خدا داد عقل و تمیز و فراست اور دانائی بارگاہِ خداوندی سے بدرجۂ کمال عطا ہوئی تھیں ایسی عقل اور سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والوں کی عقل حیران ہو جاتی تھی کہ ایسی سمجھ کی باتیں کون آپ کو سکھاتا ہے۔ آپ نے قرآن شریف مولانا مولوی خلیفہ عبید اللہ صاحب بدخشانی سے اور فن قرأت میر جواد صاحب سے اور علم صرف مولوی عبد الباری شیر کوٹی سے۔ علم نحو مولوی علی احمد صاحب بریلوی سے۔ بقیہ علوم مولوی احمد یار خاں سے اور علم حدیث و تفسیر و معقول و منقول مولوی ہدایت علی صاحب سے حاصل کیا۔ بعد ختم و تکمیل علوم ظاہری آپ کی بیعت دست مبارک پر اپنے والد بزرگوار حضرت تاج الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کے ہوئی مرشد نے سب سے پہلے آپ کو شغل آفتابی تعلیم کیا اس کے بعد شغل درود پھر وقتاً فوقتاً جتنے اذکار اور اشغال اور مراقبات خاندانی تھے سب تعلیم کئے گئے۔ جب مریدوں سے کسی کو کچھ تعلیم دی جاتی تو اس وقت آپ طلب فرمائے جاتے وہ تعلیم آپ کے مواجہ اور آپ کے ذریعے سے کرائی جاتی تھی۔ رسالہ مراۃ الحقیقت خاص آپ کی تعلیم کے واسطے تحریر ہوا تھا۔ علم تصوف میں جو جو کتابیں مثلاً فتوحات مکیہ فصوص الحکم۔ رسالہ امام غزالی۔ فتوح الغیب۔ شمس العین۔ مراۃ الحقیقت وغیرہ جو ضروری ہیں انکو آپ نے سبقاً سبقاً حضرت تاج اولاولیا سے پڑھا۔ خصوصاً شمس العین جو حضرت نیاز بے نیاز کی تصنیف ہے۔ اس کو حضور تاج الاولیا نے چار مرتبہ چار طریقوں سے آپ کو پڑھایا۔ اوّل درس میں عام سماعت تھی جملہ حاضرین شریک ہوتے تھے اور سنتے تھے۔ جب دوبارہ سبق شروع ہوا تو اس میں خاص خاص مریدین سامعین ہوتے تھے۔ تیسری مرتبہ کی سماعت میں اخص الخاص خلفاء شریک ہوتے تھے اور چوتھی مرتبہ کی قرأت حجرہ میں تہجد کے وقت ہوتی تھی۔ اس وقت سوائے حضرت کے کوئی دوسرا شخص وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔ جو اسرار و غوامض و نکات اس وقت بیان ہوتے تھے ان کو بعینہٖ مصداق فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کا سمجھنا چاہیئے۔ آپ کی جمعیت خیال کے لیے بڑے بڑے با اثر خلفا کو حکم تھا

کہ ان پر اپنا اثر ڈالیں لیکن کسی کی توجہ کا کوئی اثر آپ پر مطلق نہیں ہوتا تھا۔ البتہ جب حضور تاج الاولیا رحمۃ اللہ علیہ توجہ دیتے تھے تو اس وقت ربودگی اور استغراق کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ بہرحال جب تعلیم ظاہری و باطنی مرتبہ کمال پہونچ چکی اور ختم سلوک ہو چکا تو ۲۰ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی۔ اکیس سال کی عمر میں بی بی صاحبہ کا وصال ہو گیا۔ اس طرح صرف چار سال آپ متاہل رہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت تاج الاولیا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی شادی بریلی کے بہت شریف خاندان سادات نو محلہ میں سید فدا حسین صاحب کی دختر نیک اختر سے کی جن کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کے بعد بی بی صاحبہ نے انتقال فرمایا۔ پھر آپ نے شادی نہیں کی۔ حضرت صاحب کو اپنی صاحبزادی صاحبہ سے کمال درجہ کی محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی پرداخت صوفیانہ طریقہ سے کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ بھی نہایت درجہ شاغلہ اور صاحب مقامات عالیہ اور ولیہ کامل ہیں۔ حضرت کو ذات بحت میں اسقدر استغراق رہا کرتا تھا کہ عام شہود اور لذت دنیاوی کی طرف مطلق توجہ نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عقد ثانی کی طرف خیال بھی نہ ہوا۔ جب خیر اندیشان اور عقیدت مندان آپ سے شادی کے لیے اصرار کرتے تھے تو آپ انکار کر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ سنت نبوی ادا ہو چکی اب مجھ کو ضرورت اور توجہ نکاح ثانی کی طرف نہیں ہے۔ جب ان لوگوں کا مبالغہ حد سے زیادہ ہوا اور یہ کہا گیا کہ اگر آپ شادی نہ کریں گے اور اولاد نہ ہوگی تو بقائے نسل کیونکر ہوگی اور بعد حضور کے مالک سجادہ کون ہوگا۔ اس وقت آپ نے بجواب ان لوگوں کے مجھ کو یہ خبر دی گئی ہے۔ حضور قبلہ نے فرمایا ہے کہ تمہاری نسل اولاد ذکور سے نہیں چلے گی بلکہ مثل رسول ؐ کے نواسے سے چلے گی۔ یعنی میری بچی جو اس وقت خورد سال ہے اس کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوگا میں اس کو اپنی فرزندیت میں لوں گا وہی میری اولاد قرار پائے گا اور وہی میرا مسند نشین اور جانشین اور صاحب سجادہ ہوگا میرا نام اور سجادہ کی آبادی اسی سے ہوگی سنت نبوی اور مشیت خداوندی یونہی ہے۔ میں خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں

کر سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کی صاحبزادی صاحبہ سلمہا کے بطن سے اولاً حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب قبلہ ادام اللہ فیضانہٗ، ولی مادرزاد پیدا ہوئے۔ حضرت نے آن کے والدین سے باضابطہ طریقہ پر ان کو اپنی فرزندیت میں لے لیا اور تعلیم ظاہری و باطنی مثل اپنے آباو اجداد کے فرمائی اور اپنا جانشین کیا۔ خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب فیضان چشتیہ آپ کی ذات بابرکات سے برابر جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔

یا الٰہی کار اجداش بگیر اندر سلوک | تا ابد از وے شود روشن چراغ چشتیاں

جب تعلیمات طریقت حضور سراج السالکین کی درجہ کمال کو پہونچ چکیں اور ریاضت شاقہ اور مجاہدات لائقہ لیے جاچکے تو تاریخ ۱۸ جمادی الثانی روز چہار شنبہ ۱۳۰۲ھ صبح کے وقت حضور تاج الاولیا نے اپنے مسند ارشاد پر حضور سراج السالکین کو متمکن فرمایا اور اپنے سر مبارک سے کلاہ و دستار اوتار کر آپ کے سر مبارک پر رکھی اور مبلغ دو روپیہ بطور نذر پیش کیے اور فرمایا کہ یہ دو روپیہ وہ ہیں جن کو جناب قبلہ نے بوقت رخصت ہمراہ سجادہ عطا کئے تھے جو برتاؤ حضرت نیاز نے میرے ساتھ کیا وہی برتاؤ میں نے تمہارے ساتھ کیا۔

بعد نذر دینے حضرت کے جتنے خلفاء اور مریدین اور حاضرین جلسہ تھے سب نے نذریں پیش کیں۔ اس کے بعد حضرت تاج الاولیا نے فرمایا کہ آج سے جتنے میرے مریدین اور خلفاء ہیں کسی کو ان کے ساتھ پیر بھائی ہونے کا دعویٰ نہیں رہا۔ میرے جتنے مریدین ہیں وہ اپنے آپ کو ان کا مرید سمجھیں اور جس قدر میرے خلفاء ہیں وہ سب کے سب آج سے ان کا خلیفہ اور مرید اپنے آپ کو سمجھیں اور فرمایا کہ سجادہ نشینی کاملہ کا یہی طریقہ ہے۔ اُس وقت فیضان اور برکات کی کیفیت جو تمام حاضرین پر طاری تھی اُس کا لطف وہی جانتے ہیں جو اُس وقت حاضر جلسہ تھے۔ خوش قسمتی سے یہ بندۂ سراج السالکین بھی اُس جلسہ میں شریک و بہرہ اندوز تھا ؎

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

بعدازاں تمام مراسم کے شیرینی تقسیم کی گئی اور صدائے مبارک باد چاروں طرف سے بلند ہوئی۔ آپ کا جانشینی کا قطعہ شاہ محمد یحییٰ صاحب ابوالعلائی یکے از شائخ عظیم آباد پٹنہ نے بہت خوب فرمایا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

شبے روحِ نیاز بے نیاز آمد بعلم من ۔۔۔ بہم بنشست و جام وحدت و توحید پیمودہ
سپس اسرارِ عرفان وطریقت آشکارا کرد ۔۔۔ کہ در شکل نظام الدین نشان و شانم افزودہ
کنوں در شکل محی الدین احمد اللہ اللہ بین ۔۔۔ منم نور و چراغ و ہم ضیا و شعلہ و دہ
ہمیں تاریخ و سال جانشینی در دل یحییٰ
بہر شانے نشانِ دیگرم موجود فرمودہ

۱۳۰۲ھ

دیگر از نتیجۂ طبع علامہ روزگار جناب مولانا مولوی حافظ محمد علی صاحب وکیل عدالت دیوانی ضلع غازی پور

قطعہ سال جانشینی حقانی جناب ننھے میاں صاحب اعنی صاحبزادہ میاں صاحب قبلہ

۱۸۸۵ء

جند ادورِ زماں کانر انظام الدین بود ۔۔۔ مہر رخشانے وبا فیضانے ازا علائے حق

نور اور راہِ حقیقت رازِ بس روشن نمود
چوں نیا شد کز نیاز بے نیازش تافتہ
پور آنحضرت محی الدین احمد ہم از داست
ہر دو تن در رہنمائی و ہدایت آمدند
ماہ تاباں مہر رخشاں آں چناں اند ایں دو نور
غلغلہ برپاست کانحضرت نمودش جانشیں
پائے ساں پر حق بود قاری تو یا جان صفا
وزپے یاد جہاں ایں جانشینی را بگو
ساغرے ازدواج ہر دو نام برتر چون گشتند
باز گو تاریخ ایں مسند نشینی صاف صاف

میر سد بے باک تا مقصود رہ پیمائے حق
سینہ و قلب و جگر، رنگ رُخ و سیمائے حق
ماہ تابانے بفیضانے از اعلیٰ جائے حق
خضر ہامون حق و الیاس از دریائے حق
ظلمت از باطل رود سازند چوں افشائے حق
جانشینی چیست یعنی حق نمود اعلائے حق
صد ہزاراں سر اگر پائی فشاں برپائے حق
سال تاریخی کہ باشد از زبان رائے حق
رنگ سال جانشینی ریختہ مینائے حق
ماہِ تابان شد بوجہ مہر از علیائے حق

۱۳۰۲ھ

اوّل آخر از الٰہ و حق ہمہ زیبار ولیف

۶ ۱۲۹۶ ۱۳۰۲ ہے

گر بگیر دہم بیاید سال را چو پائے حق

الٰہ + حق = ۱۳۰۲ ہے
۶ ۱۲۹۶

اوج ۱۰ — نظام الدین ۱۰۸۶ — محی الدین ۲۰۶

۱۳۰۲ ہے

اُس روز حضور تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر صدہا آدمیوں نے بیعت کی اسی شب کو یہ احقر المریدین بندۂ سراج السالکین بھی داخل سلسلہ نیازیہ ہونے کے لیے پیش ہوا پہلے حضرت تاج الاولیا نے اس غلام کے ہاتھ کو بغرض قبول غلامی اپنے دست مبارک پر رکھا اور تھوڑی دیر مراقب رہے یہ غلام خاموش بیٹھا رہا کچھ دیر کے بعد حضرت نے جناب ننھے میاں صاحب قبلہ کو آواز دی آپ بالاخانہ پر تشریف رکھتے تھے فوراً تشریف

لائے۔آپ نے اپنے برابر پہلوئے مبارک میں ان کو بیٹھا کر اس غلام ناچیز کے ناچیز ہاتھ کو اپنے دوسرے دست مبارک سے اٹھا کر حضرت کے دست مبارک میں دیا اور فرمایا کہ ان کی بیعت کا تکملہ تم کرو چنانچہ حسب الحکم تاج الاولیا حضور سراج السالکین نے اس غلام کو اپنے حلقۂ غلامی میں داخل فرمایا ؎

بندۂ عیبدار کس نخرد　　　　او بصد عیبہا خرید مرا

چونکہ سب سے پہلے یہ غلام غلامی میں لیا گیا ہے۔ لہٰذا اپنے پیر بھائیوں میں فخر سابق الایمانی کا مجھ کو حاصل ہے الحمد للہ علےٰ ذالک بعد خلافت وسجادہ نشینی کے تا حیات ظاہری تاج الاولیا رحمۃ اللہ علیہ آپ نے بپاس ادب سوائے مجھ غلام کے کسی دوسرے کو مرید نہیں کیا۔اگر کوئی خواہش بھی کرتا تو فرماتے تھے کہ شیخ کی حیات ظاہری میں وہ بھی خانقاہ کے اندر کسی کو مرید کرنے کی مجھ کو جرأت نہیں ہے۔ سبحان اللہ یہ عالی ہمتی اور الوالعزمی اور بکمال ادب حضور سراج السالکین کا ہے آداب پیر پرستی اور ادب ظاہری جو آپ نے اپنے والدین کے ساتھ برتا اس کی مثال آج تک دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔ ایسا عاشق اپنے پیر کا دیکھنے میں نہیں آیا۔

حیات ظاہری پیرومرشد میں جو ادب اور لحاظ تھا یہی بعد پردہ کر جانے اپنے پیر ومرشد کے بھی یہ عالم ادب و تنظیم کا تھا کہ روزانہ صبح کے وقت جب حویلی سے خانقاہ میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے آستانہ مزار مرشد کو بوسہ دیتے اور دیر تک فاتحہ خوانی کرکے اپنا ہاتھ اپنے منھ پر اور تمام جسم پر مس کرتے تھے اس کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوتے تھے دونوں وقت یہی معمول تھا۔جب خانقاہ سے تشریف لے جاتے تھے تو بکمال ادب جھک کر آداب وتسلیم بجالاتے تھے۔اس کے بعد حویلی میں تشریف لے جاتے تھے۔بعد وصال اپنے شیخ کے جب آپ رونق افروز مسند ارشاد ہوئے اس وقت سے سلسلہ بیعت کا شروع ہوا اور چند ہی سال میں ہزارہا مخلوق غلامی میں داخل ہوئی۔ بالخصوص گوالیار اور الہ آباد کے سفر میں جو کثرت مریدوں کی ہوئی اس کا حد وشمار نہیں۔آپ کے سلسلہ

بیعت میں اکثر اجنہ بھی داخل تھے جو صورت انسانی میں آکر خدمت خانقاہ کی مثل ہم غلامان کے کیا کرتے تھے۔ اور حاضر مجلس مقدس رہا کرتے تھے جاننے والے ان کو جانتے اور پہچانتے بھی تھے۔
چنانچہ ایک جن صاحب سے مجھ سے بھی ملاقات تھی۔ ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔
جب میں عرس میں حاضر ہوتا تھا تو مجھ سے بھی ملاقات ہوتی تھی مجھ سے نہایت لطف و مہربانی سے پیش آیا کرتے تھے۔ اور کمال اظہار محبت کرتے تھے۔ بہت ذی علم اور شاغل تھے۔ مجھکو سخت ممانعت کر دی تھی کہ اس راز کو کسی سے ظاہر نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے کبھی اس کا افشا نہیں کیا بعد وصال سرکار صرف چہلم کے روز مجھ سے ملاقات ہوئی پھر اس کے بعد میں نے کبھی خانقاہ میں ان کو نہیں دیکھا۔ آپ کے حیات ظاہری کے زمانہ میں صرف چھبیس[۲۶] خلفا صاحب رشد و ہدایت ہو کر اطراف ہندوستان و ولایت میں خاندان نیازیہ کا اجرار فرما رہے تھے۔

اسم گرامی جانشین و اسمار گرامی خلفا عظام جنکو خود حضرت نے اپنے دست مبارک سے دستار و اسناد خلافت عطا کی

۱	۲	۳
حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں سجادہ نشین	مولوی محمد گل ساکن ضلع ہزارہ	امیر علیشاہ بدخشاں

۴	۵	۶	۷
بلبل شاہ بدخشاں	سید ولی الحق کابل	حاجت خاں بلخ	محمد عوض خاں ضلع سہارنپور

۸	۹	۱۰
مولوی عبدالشکور الہ آباد	سید قطب الدین غازی پوری	سید محمد ادریس سندیلہ

۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
حافظ فخرالدین کانپور	نیاز احمد خاں رام پور	سید شمس الحق سندیلہ	سید حافظ محمد یحییٰ بھوپال

۱۵	۱۶	۱۷
ڈاکٹر مرتضیٰ حسین جبل پور	مرزا نذیر الدین جبل پور	صاحبزادہ سید فتح محمد اجمیر شریف

۱۸	۱۹	۲۰
مولوی سید محمد علی شاہ آگرہ	چودھری رحیم بخش آگرہ	مولوی سید عبدالقادر ہسوہ فتح پور

۲۱	۲۲	۲۳
ولایت احمد خان شاہ آباد	ڈاکٹر عبداللہ بھرت پور	شاہ محمد سلیمان زمانیہ

۲۴	۲۵	۲۶
سید یعقوب احمد بھوپال	احمد میاں چھوٹانی بمبئی	ملا مزمل خان کابل

حلیۂ مبارک

سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ کشیدہ قامت۔ کشادہ سینہ۔ سفید رنگ مائل سرخی تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی نہایت سرخ اور شرم آلود تھیں۔ سر کے بال گھٹنے تا کمر دراز تھے۔ ریش مبارک گھنی نہ بہت طولانی نہ بہت مختصر بدرجۂ اوسط مطابق سنت تھی مونچھیں بڑی مگر لب کے محاذ خورد اور ترشی ہوئی تھیں۔ دونوں رخسارے بھرے بھرے ہر دو ابرو علیٰحدہ علیٰحدہ تھے۔ آپ اپنے دونوں دست مبارک سے یکساں طور پر کام کیا کرتے تھے آپ کی ریش مبارک سفید ہو چکی تھی۔ آپ نے کسی قسم کا کبھی کوئی خضاب نہیں لگایا۔ چہرہ مبارک نہایت خوبصورت و روشن و رعب دار و مظہر ہیبت حق تھا۔ آواز آپ کی نہایت باریک اور حزین تھی بہت آہستہ آہستہ کلام فرماتے تھے مگر دور اور نزدیک کے آدمی یکساں برابر سن لیا کرتے تھے۔ کبھی آپ ایسا کلام نہیں فرماتے تھے۔ جس سے مخاطب کی دل شکنی ہو آنکھیں نہایت نورانی اور دور میں سیاہی و سفیدی دونوں موزوں ہر وقت اوپر کو چڑھی ہوئی مائل بہ سرخی جس میں سرخ ڈورے نمایاں رہتے تھے۔ نیازیؔ سے

دل دیا تھا جس کو میں نے اُس کا جلوا یاد ہے　　مدتیں گذریں مگر وہ روئے زیبا یاد ہے

مست مجھکو کر دیا ہے جس کی چشم مست نے　　اُس کی آنکھیں یاد ہیں آنکھوں کا ڈورا یاد ہے

چونکہ تمام رات آپ سوتے نہ تھے مشغولی حق میں سحر کر دیتے تھے۔ اس وجہ سے جب صبح کو خانقاہ میں تشریف لاتے تو آنکھیں مخمور و نیم وا رہا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں حضرت باہر تشریف لائے تو یہ دیکھ کر میری زبان سے بیساختہ یہ شعر موزوں ہو گیا۔ میں دن بھر بار بار اس کو پڑھتا اور لطف اٹھاتا تھا۔ نیازیؔ سے

نیم وا آنکھیں کہے دیتی ہیں ان کی صاف صاف
رات بھر جاگنے کا یہ خمار آنکھوں میں ہے

اصل یہ ہے کہ ہمارے سرکار چالیس برس تک شب کو نہیں سوئے۔ آپ کشادہ ذہن تھے چند دانت آپ کے ٹوٹ گئے تھے۔ لہٰذا ایک مرید عقیدتمند نے مصنوعی دانت پتھر کے بنا کر نذر کر دئے تھے جس کو آپ نے بپاس خاطر اس کے قبول فرمالیا تھا۔ آپ نہایت خوش مزاج تھے لبوں پر مسکراہٹ نمایاں رہا کرتی تھی۔ سر مبارک کے بال دراز تھے کبھی چوٹی گوندھ لیا کرتے تھے کبھی لپیٹ کر جوڑہ بنالیا کرتے تھے۔ کبھی پشت پر کھلے ہوئے پڑے رہتے تھے۔ بالوں میں تیل کم لگاتے تھے۔ اکثر خشک رہا کرتے تھے۔ کبھی تیل لگاکر کنگھوں سے جھاڑ بھی لیا کرتے تھے۔ دماغ پر پیرانہ سالی کے سبب بال بہت کم ہو گئے تھے۔ گردن مثل صراحی کے نہایت موزوں تھی۔ شانے اور بازو۔ کندھے پر گوشت تھے۔ کلائی کی ہڈیاں چوڑی چوڑی مثل شیر کے تھیں۔ حضرت کی بینی مبارک اور گوش مبارک دراز تھے جسم مبارک فربہ شکم مبارک نہایت سڈول تھا۔ مگر آخر زمانہ میں ذرا بڑھ گیا تھا سینہ پر بال اور شکم پر بالوں کی لکیر تھی۔ بازوے مبارک پر گوشت اور قوی تھے کلائیاں چوڑی، انگلیاں دراز تھیں پنجہ شریف نہایت مضبوط اور زبردست تھا خدا نے قوت ایسی دی تھی کہ جس کو پکڑ لیتے کوئی چھڑا نہ سکتا۔ جسم مبارک مثل جسم مرتصوی گٹھا اور کسا ہوا۔ نہایت سڈول تھا۔ رانیں پُر گوشت۔ پنڈلیاں موزوں اور گداز تھیں۔ ابتدا میں ورزش کا بھی شوق تھا۔ رفتار مشابہ رفتار سید ابرار تھی قدم جمائے ہوئے میانہ روی سے چلتے تھے لیکن ساتھ چلنے والوں کو دوڑنا پڑتا تھا۔ دل آپ کا بہت قوی تھا کسی دشمن یا موذی جانوروں کی ذرا پروا نہیں کرتے تھے۔ اپنے ارادہ داعیہ میں جو آتا اس کے گذرنے میں کبھی ڈرتے نہ تھے مقابل پر ہمیشہ غالب ہی رہا کرتے تھے۔ برودت۔ سرما و شدت گرما دونوں فصلیں آپ کے لیے برابر اور یکساں تھیں۔ موسم گرما و سرما کے لیے کوئی اہتمام خاص نہیں فرماتے تھے۔ جفاکش اور مخلتی اتنے بڑے تھے کہ شکار میں کوسوں پا پیادہ چلے جاتے تھے اور تمام دن دھوپ میں بیٹھے شکار ماہی کیا کرتے تھے۔ غذا میں کوئی غذا مخصوص نہ تھی۔ جو چیز دسترخوان پر رکھی جاتی اس کو بلا تکلف اس پلیٹ سے جو

ترتیب تر ہوتی تھی کھالیا کرتے۔ دوسرے پلیٹ یا پیالہ کی طرف دیکھتے بھی نہیں تھے اگر کوئی یاد دلاتا یا اصرار کرتا تو اس کی خاطر سے کچھ اس سے بھی چکھ لیا کرتے تھے۔ آپ نہایت حسین وجمیل اور نہایت شکیل تھے۔ قد مبارک موزوں مائل بہ درازی تھا۔ باقی سیرت آپ کی مثل سیرت اپنے آبائے کرام کے تھی آپ کے فضائل حد تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کو اگر ملت نبوی کا سلطان اور ولایت مرتضوی کا برہان کہیں تو بجا درست ہے۔ آپ ارباب شریعت کے امام اصحاب طریقت کے مقتدا اہلِ ذوق کے رہنما صاحبان عشق ومحبت کے پیشوا تھے۔ آپ طریقت معرفت وحقیقت کے رموز کو علی رؤس الاشہاد بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے بہت زیادہ اقوال طریقت کے مروی ہیں آپ کو ہر علم وفن علی الخصوص علم تصوف میں ید طولیٰ اور حد درجہ کا کمال حاصل تھا۔ آپ ایسے برگزیدہ مشائخ تھے کہ آپ کے قول وفعل سے تمسک لیا جایا کرتا تھا اور آپ کی تقلید کی جاتی تھی فقرائے عصر آپ کو اپنا مقتدا سمجھتے تھے۔ آپ بہت بڑے عابد وزاہد۔ منکسر المزاج ۔ عالی خیال نیک طینت ونیک سیرت تھے۔ ظاہر وباطن آپ کا آراستہ وپیراستہ تھا۔ خرق عادات کا اظہار خورد سالگی ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ آپ کے فیض باطن سے بہت لوگ فائز اور مستفید ہوئے ۔ تمثیلات سے آپ اسرار تصوف کو ایسا دلنشین کردیا کرتے تھے کہ مکرر سوال کرنے کی حاجت نہیں ہوئی تھی ۔آپ کے ہم عصر مشائخوں میں مولٰنا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی۔ حاجی وارث علی شاہ صاحب دیوہ۔ شاہ الٰہ بخش صاحب چشتی۔ شاہ امین الدین صاحب فرد بہاری۔ شاہ نجم الدین صاحب پھلواروی۔ شاہ محمد شیر صاحب پیلی بھیتی۔ شاہ ابوالخیر صاحب مجددی نقشبندی دہلوی تھے۔ آپ اکثر ان بزرگواروں کی مناقب اور بزرگیاں بیان فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ صاحبان اپنے وقت کے یگانہ عصر ہیں اور جداگانہ رنگ رکھتے تھے۔ اسی طرح ان بزرگواروں کے سامنے جب ہمارے سرکار کا ذکر آتا

تو بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ سچ ہے ؎ قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔ یہ
حضرات ہمارے شیخ کی قدر و منزلت جانتے تھے اور ہمارے سرکاران بزرگواروں
کے رتبہ شناس تھے۔ ایک مرتبہ مجمع خاص میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب
اہل خدمت ہیں اور ملک اودھ کے حاکم ہیں۔ سادات کو چاہیئے وہ کسی مذہب کے
ہوں اور کیسا ہی خلاف شریعت کام کرتے ہوں۔ ہمیشہ عزت کی نگاہوں سے دیکھتے
تھے اور ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ پیری مریدی کرنے والے پیرزادوں کی بھی چاہے
ہی کیوں نہ ہوں کبھی شکایت نہیں فرماتے تھے اور کبھی ایسے الفاظ ان کی شان میں استعمال
نہیں کرتے تھے جس سے اُن کی یا ان کے خاندان کی توہین ہوتی ہو۔ اگر کسی نے کسی غیر
خاندان والے کی شکایت کی آپ کے سامنے کی تو آپ اس کو منع فرما دیتے اور بدگوئی
سے باز رکھتے تھے کہ میرے سامنے ان کی غیبت نہ کرو میں ایسی باتیں سننا پسند نہیں
کرتا وہ اپنے فعل کے آپ ذمہ دار ہیں اور اپنے مصالح کو آپ جانتے ہیں۔ خدا جانے
کس مصلحت سے کس وقت کیا کام اور کیا بات کرتے ہیں۔ ع

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

تم اپنے کو دیکھو اور بُرے کاموں اور بری باتوں سے بچو آپ حد سے زیادہ خلیق۔
حلیم، متواضع، منکسر المزاج تھے۔ شرم و حیا تو گویا آپ ہی کے حصہ میں تھی۔ کسی
نے آپ کے جسم مبارک کو کبھی کسی حالت میں برہنہ نہیں دیکھا۔ آپ پائجامہ کے
پائچوں میں گھنڈیاں یا بٹن لگایا کرتے تھے۔ آسمان کے نیچے یا حمام میں بھی
کبھی آپ تنہائی میں بھی برہنہ ہو کر غسل نہیں کرتے تھے۔ اگر بوقت غسل پشت
کی میل چھڑانا منظور ہوتا تو خادم خاص کرتے کے اوپر یا اندر کرتے کے ہاتھ پر کھیسی
چڑھا کر مالش کرتے۔ آپ ہمیشہ نیچی نظر رکھتے تھے۔ بہ سبب کثرتِ حیات کے کلام
بہ آواز بلند نہیں فرماتے تھے بلکہ بہت آہستہ آہستہ بلائمت سے باتیں کیا کرتے تھے۔
سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ کبھی کسی کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے کچھ نہ کچھ ضرور دیدیا کرتے تھے۔

آپ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے تھے کیسی بیش قیمت چیز کیوں نہ ہو اگر کوئی شخص اس کو مانگ بیٹھتا تو باوجود اپنی حاجت کے اس کو دیدیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں بڑی حویلی میں صبح کے وقت حضوری میں بیٹھا ہوا تھا۔ بریلی کے رہنے والوں میں سے ایک صاحب نہایت سفید پوش تشریف لائے اور عرض کی کہ مجھے اصلی میرے کی سخت ضرورت ہے شہر میں کہیں نہیں ملتا لہذا حضور سے استدعا ہے کہ جناب کے پاس اصلی میرہ ہو تو مرحمت فرمایا جائے۔ حضرت نے نہایت کشادہ پیشانی سے فرمایا کہ ہاں موجود ہے میں دیتا ہوں چنانچہ صندوقچہ منگاکر ایک تولہ سے زیادہ اصلی میرہ نکال کر حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ اس قدر سے آپ کا کام نکل جائے گا یا اور تلاش کروں میں نے فرمایا کہ کافی ہے اسی قدر سے کام نکل جائے گا۔

اسی طرح محبوب میاں کی شادی کے زمانہ میں ایک صادق العقیدت مخلص مرید نے ایک بہت بڑا ڈلا سونے کا نذر کیا جو کئی سو روپیہ کی مالیت کا تھا۔ جب وہ صاحب نذر کرنے کے بعد حضرت کے حضور سے تشریف لے گئے تو ایک شخص نے اس کی خواہش ظاہر کی مجھ کو اس کی ضرورت ہے۔ مجھے عنایت فرمایا جائے۔ حضرت نے بیدریغ کل ڈلا سونے کا اُٹھا کر اس کے حوالہ کر دیا۔

خود بھی نفیس کھانا تناول فرماتے اور تمام خانقاہیوں کو بھی وہی کھانا دیا جاتا۔ کھانے میں کوئی تخصیص عام و خاص کی نہ تھی حتّٰی کہ سقّہ و بھنگی کو بھی وہی کھانا مرحمت ہوتا تھا جو اُمرا اور والیان مُلک کو دیا جاتا آپ کی مجلس میں یہی حال نشست کا بھی تھا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ اُمرا اور والیان ملک کو مسند کے قریب یا صدر مقام میں جگہ دی جائے اور غربا و مساکین یا شکستہ حال مریدین کو پائیں میں بٹھایا جائے بلکہ دستور یہ تھا کہ مجلس میں جس کو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتا۔ میں نے بارہا والیان مُلک اور تعلقہ داران اور

بڑے بڑے امرا اور سیٹھوں کو لب فرش جوتوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا ہے۔
سرکار کی مجلس کا یہ بھی قاعدہ نہ تھا کہ کوئی امیر مجلس میں آجائے تو خود حضرت یا حاضرینِ جلسہ میں سے کوئی شخص تعظیم کو اٹھ کر کھڑا ہوتا بلکہ جو جہاں بیٹھا ہوتا تھا اپنی جگہ بیٹھا رہتا تھا آنے والے کو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتا آپ کے مزاج میں تحمل و بردباری حد سے زیادہ تھی۔ آپ مصیبت کے وقت ہر شخص کے عام اس سے کہ مرید ہو یا غیر مرید یکساں امداد فرماتے تھے۔ آپ کو غیبت، مذمت۔ شکایت۔ غمازی سے نفرت تھی نہ کسی شکایت کبھی خود کرتے تھے اور نہ کسی کو کرنے دیتے تھے اگر اپنے غلاموں میں سے یا کسی دوسرے سے سخت سے سخت بھی قصور یا خطا ہو جاتی تو آپ اُس کو درگذر فرماتے اور صرف متنبہ کرکے معاف کر دیا کرتے تھے۔ کسی کی طرف سے اپنے دل میں کدورت یا ملال نہیں رکھتے تھے۔

بابِ دوم

عادات وصفات ومعمولات

آپ خلیفۂ الٰہی علامہ نامتناہی۔ اکبر مشائخ طریقت اعظم علمائے شریعت۔ حجت حق مرشد برحق۔ قطب العالم۔ مرجع اولادِ آدم تھے۔ ریاضت و کرامات آپ کے بیحد و بیشمار ہیں۔ آپ اسرار و حقائق میں نظر روشن اور جہد بلیغ رکھتے تھے۔ قیام آپ کا مقام

توحید میں تھا اور غریق دریائے عشق الہٰی تھے۔ جسم آپ کا مجاہدہ میں اور دل آپ کا مشاہدہ ذات میں تھا۔ خوش بیانی میں آپ کو حد درجہ کا کمال تھا اور استنباط معانی طریقت میں آپ بےمثل ولاجواب تھے۔ ورع و تقویٰ میں مرتبہ اعلیٰ رکھتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اپنے عہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے کمالات اظہر من الشمس اور ابین من الامس تھے۔ ایک مرتبہ مجھے اجمیر شریف کی حاضری کا اتفاق ہوا۔ وہاں روئے زمین کے فقرار۔ اقطاب۔ اوتار۔ ابرار سبھی حاضر ہوتے ہیں۔ ایک درویش جن کی صورت ظاہری سے وجاہت حق ظاہر تھی۔ مجھ سے دریافت فرمایا کہ تجھ کو کس بزرگ سے ارادت ہے میں نے اپنے پیر و مرشد کا اسم مبارک لے کر اپنی گردن تعظیماً جھکا لی میرے اس ادب سے وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ننھے میاں ہم لوگوں کے درمیان میں ایسے ذی مرتبہ ہیں جیسے فرشتوں کے درمیان میں جبرئیلؑ۔ تم نہایت خوش نصیب ہو کہ ایسے ولی کامل کے دامنِ عاطفت میں ہو۔ میں نے ان کو کل ملک عرب میں چھوڑا ہے۔ غالباً وہ کل یہاں آجائیں گے۔ چنانچہ اس کے صبح ہو کر آپ تشریف لائے۔ میں نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ان کو کہنے دو۔ یہ لوگ ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔

حضور سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ بعد بارہ بجے شب کے خانقاہ سے حویلی میں تشریف لے جاتے اور تھوڑی دیر تک پلنگ پر آرام کرنے کے بعد اٹھ کر وضو کرتے اوّل تہجد پڑھتے اس کے بعد اپنے اشغال میں مصروف ہوجاتے ایک مسماۃ خادمہ ضعیفہ حاضر خدمت ہو کر آدھے پان کی گلوری بنا کر پیش کرتی حضرت اس کو منھ میں رکھ کر آنکھیں بند کر لیتے اور اپنے شغل میں مستغرق ہوجاتے تھے۔ ابتدار سے اشغال شروع کرتے اور تھوڑی تھوڑی دیر تک ہر شغل کو کرتے تا آنکہ اپنے مقام میں پہونچ جاتے تھے۔ ہمارے سرکار چالیس برس تک نہیں سوئے اور نہ کسی وقت بے وضو رہے۔ جب وضو ٹوٹ جاتا فوراً تازہ وضو فرما لیتے۔ دن میں البتہ تھوڑی دیر کے لیے چادر سے منھ ڈھک کر لیٹ رہا کرتے تھے۔

کبھی دن کو بھی غافل ہوکر نہیں سوتے تھے۔ خانقاہ کی چھت پر ایک کوٹھری تھی جس میں سرکار دن کو آرام فرمایا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم لوگ خادمان دوپہر کو حضرت کے روبرو بیٹھے رہتے اور آپ چادر سر سے تان کر لیٹ رہتے۔ ہم لوگ سمجھتے کہ آپ سوگئے چپکے سے اٹھ کر چلے جاتے جہاں سیڑھیوں پر قدم کسی نے رکھا آپ کی آواز معلوم ہوجاتی چادر کے اندر ہی سے آواز دیتے کون ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ غافل ہوکر کبھی نہیں سوتے تھے۔ شب کو بھی یہی حال تھا کہ حسب اقتضائے موسم کپڑے سے منھ ڈھک کر بعد نماز تہجد تھوڑی دیر کے لیے لیٹ رہا کرتے تھے اور نماز صبح کے وقت اٹھ کر اسی وضو سے نماز فجر ادا فرماتے تھے۔ تھوڑے وظیفہ کے بعد حقہ حاضر کیا جاتا آپ اس کو نوش فرماتے اور خادم ایک خاص لوٹا میں کنویں سے تازہ پانی کھینچ کر آپ کے سامنے پیش کرتا۔ آپ اس پر امام حسین علیہ السلام کی فاتحہ دے کر سبز درختوں کی جڑ میں ڈلوا دیا کرتے اس کے بعد چائے حاضرین کے ساتھ نوش فرماکر خانقاہ میں تشریف لاتے۔ پہلے حضور تاج الاولیا کے مزار مقدس کے چبوترہ کو بوسہ دیتے اور فاتحہ پڑھ کر دونوں ہاتھ کو منھ پر پھیرتے ہوئے سارے جسم کو مس کرتے۔ پھر حضور قبلہ حضرت شاہ نیاز احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس کے چبوترہ کو بوسہ دے کر اسی طرح فاتحہ پڑھ کر منھ اور سارے جسم پر اپنا ہاتھ پھیر دیا کرتے تھے اور اُلٹے پاؤں تاکہ مزارات کی طرف پشت نہ پڑے نہایت ادب سے واپس ہوکر مسند مبارک پر رونق افروز ہوتے تھے اور حاضرین جلسہ سے موافق تکلموا الناس علیٰ قدر عقولھم۔ ہر شخص سے حسب استعداد اُس کے نہایت شیریں کلامی سے گفتگو فرماتے اور قریب ۹ بجے کے صاحبزادی صاحبہ کی حویلی میں تشریف لے جاتے اور وہاں قلیل غذا تناول فرماکر پھر خانقاہ میں تشریف لاتے اور بارہ بجے تک تشریف رکھتے جو جس طرح کی باتیں کرتا اس کی فہم اور استعداد اور خواہش کے مطابق کلام فرماتے اس کے بعد بڑی حویلی میں تشریف لے جاکر قیلولہ فرماتے۔ بعد نماز ظہر پھر خانقاہ میں تشریف

لاتے اور عصر کے وقت تک تشریف رکھتے۔ بعد نماز عصر حویلی کلاں میں تشریف
لے جاتے اکثر نماز مغرب کی باجماعت خانقاہ میں ادا کرتے۔ کبھی حویلی ہی میں نماز
مغرب ادا فرمالیا کرتے۔ امامت کی خواہش نہیں کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ مُلّا
مزمل خاں اپنے مرید کو امام کرتے اور ان کے پیچھے نماز ادا فرماتے۔ شاذونادر ایسا بھی
ہوتا تھا کہ اصرار کرنے سے خود بھی امام ہو جاتے تھے۔ مگر اس حالت میں چھوٹی چھوٹی
سورۂ قرآنی پڑھ کر مختصر دعا مانگ کر فوراً جا نماز سے علیحدہ ہو جاتے تھے اور دوسری جگہ
سنت وغیرہ ادا فرماتے۔ شب کو بعد مغرب غذائے قلیل باورچی خانہ سے منگا کر اندر
مکانِ کلاں میں تناول فرماتے۔ اکثر فاقہ کرتے۔ کبھی سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھالیتے
اور ارشاد فرماتے کہ اللہ معاف کرنے والا ہے میں نے اس وقت خانقاہ کی روٹی کھائی
ہے۔ مجھ سے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ توفیق شب بیداری کی عطا فرماکر
اپنی عبادت کرائے نیاز بے نیاز معاف فرمائیں آپ بعد تناول فرمانے غذائے قلیل کے
حویلی سے خانقاہ میں تشریف لاتے اور بارہ ایک بجے رات تک خانقاہ میں
رکھتے اور مستفرین کے سوالات کے جوابات ان کی فہم کے مطابق نہایت نرمی و
متانت اور وضاحت سے دیتے۔

حضور سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ جملہ علوم و فنون میں مہارت کامل رکھتے
تھے کوئی علم و ہنر ایسا نہ تھا جس کی لِم اور اس سے آپ واقف نہ ہوں۔ علم صرف نحو کے
آپ ماہر تھے۔ فقہ کی جزئیات میں تبحر تھا۔ علم حدیث و تفسیر۔ منطق۔ فلسفہ۔
حکمت میں مہارت کلی تھی اور یادداشت اس قدر صحیح تھی کہ کتابوں کے صفحہ
وسطر تک بتادیا کرتے تھے کہ یہ حدیث فلاں کتاب کے فلاں صفحہ میں ہے اور
یہ حدیث فلاں موقع و فلاں محل میں رسول صلعم نے فرمائی تھی اور فلاں
مفسر نے فلاں مقام میں اس آیت قرآنی کا یہ مطلب لکھا ہے جب
دیکھا جاتا صحیح نکلتا۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فارسی میں لجینہٖ اہل زبان تھے۔ لب و لہجہ تک ویسا ہی تھا یہی حال عربی کا بھی تھا۔ عرب کے لب و لہجہ میں عرب سے گفتگو فرماتے۔ جس طرح عربی و فارسی میں آپ کو قدرت تھی اسی طرح پشتو۔ ترکی۔ پنجابی۔ وغیرہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ زیادہ لطف یہ تھا کہ جس زبان میں آپ گفتگو فرماتے تھے تو اسی زبان کے لب و لہجہ میں اثنائے گفتگو میں ذرا تمیز نہیں ہوتی تھی کہ حضرت اس زبان کے اہل زبان نہیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص جس زبان میں گفتگو کرتا آپ اسی زبان میں اس سے کلام فرماتے۔ آپ ہر قسم کے خطوط اور اصطلاحات سے بخوبی واقف تھے۔ انگریزی بھی کچھ سمجھ لیتے تھے اور تار وغیرہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ مگر انگریزی میں گفتگو نہیں کرتے تھے۔ خوشنویس اتنے بڑے تھے کہ سبحان اللہ بہت سے قطعات آپ کے لکھے ہوئے خانقاہ میں موجود ہیں جو میری تحریر کی شاہد عدل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آپ ہر فن میں مکمل تھے۔ بن لوٹ میں آپ کو کمال تھا۔ جملہ فنون سپہ گری و شہسواری میں آپ کامل تھے۔ تیراندازی اور بندوق کی نشانہ بازی میں یگانہ تھے۔ اڑتی ہوئی چڑیوں کو آپ بے تکلف شکار کر لیتے۔ آپ کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ بانک میں پوری مہارت تھی۔ شمشیر زنی میں خاص قدرت تھی۔ میں نے بارہا دیکھا کہ بڑی بڑی روہو مچھلیاں لٹکا دی گئیں اور آپ نے ایک وار میں دو کر دیں۔ علم موسیقی کے جس قدر اقسام ہیں سب میں کمال درجہ کی واقفیت تھی بڑے بڑے گویئے آپ کے سامنے کان پکڑتے تھے۔ ہر قسم کی تیراکی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ عطر شناسی آپ کا آبائی حصہ تھا شکار کے جتنے اقسام ہیں ان سب کی ترکیبیں خود ایجاد کیا کرتے تھے۔ گھوڑوں کے عیب و ہنر اور ان کے امراض و علاج سے بخوبی واقف تھے۔ گھوڑوں کو دیکھ کر ایک نظر میں سمجھ جاتے کہ یہ گھوڑا فلاں نسل کا ہے۔ کتوں۔ کبوتروں مرغوں۔ شکروں۔ بٹیروں کے میل غیر میل اور ان سب کی پرداخت اور لڑانے

کی ترکیبیں خوب جانتے تھے۔ اگرچہ آپ نے اپنے شوق سے خود کبھی ان جانوروں کو نہ پالا اور نہ اس قسم کا کھیل کھیلے مگر جو جس قسم کا ذکر کرتا اُس سے آپ اُسی قسم کا تذکرہ فرماتے۔ بچوں سے بچوں کی طرح اور بوڑھوں سے بوڑھوں کی طرح باتیں کرتے۔ کپڑوں کی قطع و برید اور سلائی میں بھی خاص قابلیت رکھتے تھے۔ شعر فہمی اور سخن شناسی آپ کا حصہ تھا۔ مغز سخن کو فوراً پہونچ جاتے تھے اور ان کے حسن و قبح۔ اوزان۔ بحور۔ عیب و ہنر سے بخوبی واقف تھے اور بہترین مذاق سخن رکھتے تھے۔ باوجود موزونی طبع خود کبھی کوئی غزل تصنیف نہیں فرمائی البتہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کسی موقع پر کوئی مصرع یا شعر یا دو چار ابیات فوراً برجستہ موزوں فرماکر فی البدیہ سنا دیا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے اپنے کو انھیں مشغلوں میں پوشیدہ رکھا تھا۔ اگر کوئی شخص فقر و درویشی کی نسبت آپ کے ساتھ کرتا تو آپ فرماتے بھائی میں شکار کھیلنے والا آدمی ہوں مجھے فقیری اور درویشی سے کیا واسطہ وہ بڑی چیز ہے۔ سرکار کے مشاغل اس قسم کے تھے کہ وہ آپ کے اور آپ کے رب کے درمیان میں خاص راز تھے اور بظاہر سے

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش ایں چنیں زیبا روش کم می شود اندر جہاں

کا نمونہ تھے آپ نے اس طرح کی روش اختیار کر رکھی تھی جو کہ ظاہر بینوں کی نگاہ میں طریق درویشی زہد و تقویٰ بالکل خلاف معلوم ہوتی تھی مگر حقیقت میں ہرگز خلاف نہ تھی۔ کیونکہ آپ عامل اس قول مرتضوی کے تھے کہ کن عند اللہ خیرا لناس وعند نفسك شر الناس وعند الناس کاحد من الناس۔

یعنی تم اپنی زندگی اس طرح بسر کرو کہ اللہ کے نزدیک تو بہترین انسان معلوم ہو اور اپنی نگاہوں میں کمترین بندگان اور مخلوق کی نگاہوں میں معمولی آدمی بنے رہو۔ آپ کا یہ طرز عمل کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ آپ اپنے مسترشدین اور خاص خاص مریدین کو بھی یہی طریقہ تعلیم فرماتے تھے کہ ہر اُس فعل سے جس میں ذرا بھی ریا کا شبہ ہو اُس سے بچنے کیلئے

جہد بلیغ کرنا چاہیے اور ایسا طریقہ نہیں رکھنا چاہیئے جس سے کسی کو ذرا بھی درویشی کا گمان ہو سکے ؎

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست　　درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

یہی وجہ تھی کہ ہمارے ہادی اور رہبر کا دربار عام تھا کہ کوئی عالم ہو یا جاہل ہو شریف ہو۔ یا کمینہ۔ خواندہ یا ناخواندہ۔ سنی ہو شیعہ۔ ہندو ہو یا مسلمان، عیسائی ہو یا موسوی۔ مرد ہو یا عورت۔ بوڑھا ہو یا لڑکا۔ غرضیکہ کوئی کسی قسم اور کسی قوم کا ہو۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ ہر شخص بلا تکلف شریک مجلس ہوتا اور جب تک چاہتا بیٹھا رہتا اور اپنے شبہات اور اغراض پیش کرتا اُن سب کا جواب اس کی فہم کے مطابق دیتے لہٰذا ہر شخص آپ کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوتا۔ اور بقدر اپنی عقل وفہم کے بہرہ ور ہوتا تھا۔ آپ اپنے دربار عام کے نسبت فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کی خانقاہ رسول کا دربار ہے اس مجلس میں مرد ہو یا عورت کسی کو ممانعت نہیں کی جاسکتی کیونکہ رسول کی ہدایت عام تھی آپ کسی قوم یا شخص خاص کے لیے مبعوث نہیں کئے گئے تھے۔ باوجود ان تمام تعلقات اور مشغلہ ہائے بے غایات کے آپ ہر وقت یادِ حق میں ایسے مشغول و مستغرق رہتے تھے کہ ہر وقت نظارہ ذات میں گم رہا کرتے تھے۔ سینہ مبارک میں دریائے وجدانی ہر وقت موجزن رہا کرتا تھا۔ اُس نے غیریت کے تمام کوڑے کرکٹ کو ورطۂ فنا میں غرق کردیا تھا۔ طرفہ ماجرا یہ تھا کہ آپ نے ارباب ظواہر کو انھیں سیر و تماشے میں مصروف رکھا اور کسی کو یہ خبر نہ ہونے دی کہ اس ذات کو آفتاب حقیقت سے کیا نسبت ہے اور اُس ہستئ ساذج سے اس کو کیا تعلق ہے ؎

قطرہ تھے لیکن بڑھے اتنے کہ دریا ہو گئے　　یہ خدا ہی جانتا ہے کون تھے کیا ہو گئے

ہم ظاہر بینوں کو تو صرف اسی قدر نظر آتا ہے کہ آپ عبادات و ریاضت و زہد و تقویٰ۔ تفرید۔ و تجرید میں رتبہ اعلیٰ رکھتے تھے اور حلم و حیا صدق و صفا عفو و وفا۔ جود و سخا۔ شفقت و محبت۔ الفت و مروت۔ بردباری۔ کرنفسی حسن ظن

حسن اخلاق وغیرہ میں یکتائے زمانہ تھے۔ اگرچہ آپ ولی مادرزاد تھے۔ مگر سات ہی برس
کی عمر سے آپ صوم وصلوٰۃ کے باقاعدہ پابند تھے اور اذکار واشغال میں مستغرق رہا
کرتے تھے آپ کا سارا وقت ذکر خفی و مراقبہ و مشغولی میں صرف ہوتا تھا اور ریاضت
و مجاہدہ میں وہ جفاکشی ظہور پذیر ہوتی تھی کہ دیگر اہل مجاہدین حیران رہ جاتے تھے۔
دس برس کی عمر میں آپ کو کشف و شہود حاصل ہوا اور بیس ۲۰ پچیس برس کی عمر میں
تمامی کمالاتِ صوری و معنوی سے آپ مالامال ہو گئے اور اُس مرتبہ پر پہونچ گئے
کہ جب آپ توجہ کرتے تھے تو جملہ کائنات و موجودات کا آپ کو کشف ہو جایا کرتا تھا
آپ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی تھی کشفِ قلوب کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی خطرہ
لے کر آپ کے حضور میں حاضر ہوتا آپ اس سے واقف ہو کر بغیر اس کے اظہار کئے ہوئے
اس کو رفع فرمادیا کرتے اور متنبہ کر دیا کرتے تھے۔ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر
کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ بعض صوفی جب انتہائے
سلوک پر پہونچ جاتے ہیں تو صرف فرائض و سنن پر اکتفا کر لیتے ہیں اور نوافل
مستحبات کم کر دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے حضرت کا کام جب انتہائے سلوک پر پہونچا
تو بالکل قدم بقدم رسول کے ہو گئے ایک دم بھی مشغولی حق سے خالی نہیں رہتے تھے۔
حتی کہ تہجد کے وقت سے صبح تک عبادت ظاہری میں تمام دن و رات عبادت باطنی میں
مصروف رہا کرتے تھے۔ غذا آپ کی قلیل تھی۔ لیکن خوش ذائقہ اور قوی ہوتی تھی تاکہ
عبادت و ریاضت میں معین ہو۔ اکثر میوہ جات استعمال فرماتے تھے۔

ایک روز شہید عشق حکیم عبدالکریم صاحب نیازی مرادآبادی مجھ سے
فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میں حاضر خانقاہ ہوا صبح کے وقت جو آشام حضرت کے
لئے روزانہ تیار ہو کر آیا کرتا تھا اس میں سے قدرے اولش مجھے بھی عنایت
ہوا خدا جانے اس میں کیا ایسی قوت اور تاثیر تھی کہ تمام دن رات مجھے دوسری
غذا کی حاجت نہ ہوئی اور جملہ اعضا میں اس طرح کی قوت رہی کہ بیان سے

باہر ہے دوسرے روز صبح کے وقت میں یہی تمنا دل میں لے کر پھر حاضرِ خدمت ہوا
آپ نے فوراً میرے خطرہ سے واقف ہو کر فرمایا کہ حکیم صاحب میری غذا کی برداشت
آپ کو نہ ہو گی آج وہ اُولش جس کی آپ کو خواہش ہے نہیں ملے گا۔ میں دل میں
شرمندہ ہو گیا۔ آپ نے اپنی ساری عمر مجاہدہ و ریاضت و تقویٰ و طہارت زہد و
عبادت میں بسر فرمائی۔ آپ انتہا درجہ کے متبع شریعت اور تابع سنت تھے۔
آپ تقویٰ و ترک و تجرید میں یگانہ وقت تھے۔ طبیعت آپ کی عزلت پسند
تھی۔ خلوت نشینی و بے نشانی و گمنامی کو بہت دوست رکھتے تھے۔ شہرت و نمود
سے سخت نفرت تھی۔ آپ ہمیشہ تعمیر باطن اور تخریب ظاہر پر عمل فرماتے تھے۔
اور شریعت غرہ اور سنت سینہ کے ایسے پابند تھے کہ آپ کا کوئی قول و فعل خلاف
شرع نہیں ہوتا تھا۔ پوشش آپ کی بہت سادی بے تکلفانہ معمولی تھی آپ موٹے
ململ یا ڈبلے نین سکھ کا لانبا شرعی کرتا جس میں سامنے کا گلا اور اس کے اندر پردہ
لگا ہوتا تھا تاکہ سینہ چھپا رہے استعمال فرماتے تھے۔ بہت عمدہ اور ریشمی لباس کے
آپ بالکل پابند نہ تھے۔ بغیر اپنے ارادے اور پسند کے جیسا لباس بر وقت موجود ہوتا
آپ زیب تن فرما لیتے البتہ گول ٹوپی میرٹھ کے وضع کی قالب وار جس میں سچے کلابتوں
کا کام ضرور ہوتا تھا ہمیشہ اس وجہ سے استعمال فرماتے تھے کہ تار زنار کا
استعمال کرنا خاص وضع خاندانِ چشتیہ نظامیہ کی ہے۔ عطر بہت زیادہ
لگاتے تھے اور وہ نہایت قیمتی اور خوشبودار اور نفیس ہوتا تھا۔ آپ کے پاس
ایک لکڑی کا بہت بڑا بکس محض عطر رکھنے کے لیے تھا جس میں بڑے بڑے
کنٹر اور متعدد شیشیاں ہر قسم کے عطر کی ہر وقت بھری رہتی تھیں۔ اخلاق حمیدہ اور
تواضع منکسرانہ کا یہ حال تھا کہ ہر کس و ناکس کے ساتھ نہایت کشادہ پیشانی اور
لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے اور شفقت کریمانہ اور اس قدر
مبذول فرماتے تھے۔ ہر شخص اپنے باپ سے بھی زیادہ آپ کو شفیق جانتا تھا۔

حق تعالےٰ نے آپ کی محبت عوام و خواص کے دل میں ڈال دی تھی۔ سب آپ سے به اُلفت ملتے تھے۔ آپ کی تعظیم و تکریم دل و جان سے بجالاتے تھے۔ آپ نہایت رحیم و کریم و خوش اخلاق تھے۔ کبھی کسی سے طفلگی و ترش روئی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے۔ آپ کبھی ایسے الفاظ منھ سے نہیں نکالتے تھے جو دوسروں کو گراں معلوم ہوں اگر کوئی امر خلافِ طبیعت آپ کے کسی سے سرزد ہوتا تو اس کو نہایت نرم الفاظ میں فہمائش کر دیا کرتے اور سمجھا دیا کرتے تھے کہ آئندہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ آپ کو کیسی ہی تکلیف کوئی کیوں نہ دیتا مگر آپ کبھی اس کے حق میں کوئی کلمہ بد زبان مبارک سے نہیں نکالتے تھے۔ مستغنی المزاج ایسے تھے کہ کسی کے مال و دولت کی طرف کبھی رُخ نہیں کرتے تھے۔ اگر غیر متوسل خاندان نیازیہ کوئی نذر عام ازیں کہ وہ قلیل ہو کر یا کثیر پیش کرتا تو آپ اس کو ہرگز قبول نہیں فرماتے تھے اور کہتے کہ اس طرح کی نذر قبول کرنا میرے پیرانِ عظام کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے اور اگر مُرید یا مُرید کا مُرید کم سے کم بھی کچھ نذر کرتا تو آپ اُس کے حُسنِ عقیدت کی وجہ سے فوراً قبول فرما لیتے۔ سرکار مخزن اسرار الٰہی معدنِ انوار نا متناہی جگر گوشہ اولیا نور دیدہ اصفیا مقتدائے اربابِ تصرف پیشوائے اصحابِ تصوف ولی مادرزاد خوارق و کرامات میں مشہور اور ریاضت و عبادت میں معروف تھے۔ علم و عمل ذوق و شوق و حالت و حالات و وجد و سماع میں دخل تام اور حظ وافر رکھتے تھے۔ مجلس سماع میں آپ کبھی بلا وضو شرکت نہیں فرماتے تھے اور خاص مریدوں کو بھی بلا وضو شریک مجلس نہیں ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صبح کا وقت تھا میں اپنے قیام گاہ پر بیٹھا ہوا جو متصل خانقاہ ہے اپنے بھائیوں سے باتیں کر رہا تھا کہ خانقاہ سے گانے کی آواز آئی معلوم ہوا کہ مجلسِ سماع گرم ہے۔ میں اپنے بستر سے اٹھ کر سیدھا خانقاہ میں حاضر ہوا دیکھا کہ مجلس پُر ہے کہیں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے میں مجلس کے اندر گھس کر ایک خالی جگہ پا کر حضرت سے بہت دور فاصلہ پر بیٹھ گیا تھوڑی ہی دیر کے بعد جب میری اور سرکار کی آنکھیں چار ہوئیں تو عین حالتِ

سماع میں حضرت نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا اور آہستہ میرے کان میں فرمایا کہ مجلس سماع میں بلا وضو بیٹھتے ہو جاؤ وضو کر کے آؤ۔ میں نہایت شرمندہ ہوا اور وضو کر کے شریک مجلس ہوا۔

آپ مسند مبارک پر کبھی بھی بے وضو نہیں بیٹھتے تھے اور جب تک مسند پر یا مجلس سماع میں رونق افروز رہتے برابر دوزانوں بیٹھے کبھی پہلو اور زانو بدلنے کی عادت نہ تھی۔ دریائے فیض آپ کا ایسا جاری اور موجزن تھا کہ طالب کو ذرا توجہ میں ناسوت سے لاہوت تک پہونچا دیتے تھے اور جو شخص حسن عقیدت اور خلوص نیت سے آپ کی ملازمت اختیار کرتا وہ بہت جلد اپنے مطلب دلی کو پہونچ جاتا اور اولیائے کاملین سے ہو جاتا۔ آپ کے ملازمین اور خادم بھی اہل دل اور اہل ذوق ہوا کرتے تھے۔ آپ مظہر ذات جمالیہ تھے۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اپنا ایک رنگ خاص اور طریقہ مخصوص رکھتے تھے آپ عبادات میں امام اعظم ابو حنیفہ رح کی فقہ کے متبع تھے۔ آپ صوفی المشرب محب اہل بیت اور مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے کمال محب اور خاص نسبت رکھتے تھے اور دربار مرتضوی میں ایسا رسوخ خاص حاصل تھا کہ جس وقت چاہتے تھے قدمبوس ہوتے تھے اور جو کچھ چاہتے عرض کرتے اور جواب حاصل کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خود فرماتے تھے کہ بریلی میں جس سال سخت طاعون آیا ہزارہا مخلوق مر گئی۔ میں نے حضرت مولا علی سے دریافت کیا کہ یہ کیسی مہلک بیماری ہے کس سبب سے ہوئی ہے۔ اس کا دفعیہ کیا ہے۔ مولائے کائنات نے فرمایا کہ ایک بلا ہے جو کثرت گناہ کے سبب سے خدا کی طرف سے ہندوستان میں بھیجی گئی ہے۔ اجنہ سنان زہر آلود سے لوگوں کو زخمی کرتے ہیں وہی زہر تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور مریض ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک قسم کی شہادت ہے۔ اس بیماری سے محفوظ رکھنے کے لیے بہت سارا کلاوہ سرخ رنگ کا بنوا کر لسکٹ لے کر امام بارڑہ

کے اندر جاکر امام حسین علیہ السلام کی فاتحہ دو اور وہ کلاوہ جس کے گلے میں ڈالدو گے
وہ اس بیماری سے محفوظ رہے گا اور یہ بھی کہدو جو شخص ۱۴ مرتبہ ناد علی پڑھ کر اپنے
اور دوسروں پر دم کردے گا وہ بھی انشاء اللہ اس بیماری سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ
حضرت نے بموجب حکم مرتضوی خانقاہیوں کو اور نیز تمام اپنے مریدوں اور معتقدوں
اور عوام کو اس کی اطلاع کردی۔ جس جس نے یہ ترکیب کی اللہ کے فضل سے طاعون
سے محفوظ رہا۔ اب بھی جو شخص یہ عمل کرے گا وبائے طاعون سے انشاء اللہ محفوظ رہیگا۔
ذکر و بیان فضائل مرتضوی اور اہل بیت آپ کو ایسا محبوب اور مرغوب طبع
تھا کہ بیشتر بیان آپ کا اسی کے متعلق ہوتا تھا اور اپنے یاروں اور غلاموں کو ہمیشہ
محبت اہل بیت کی ہدایت فرماتے تھے اور یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے ۔

باشد ایمان مسلمان مصحف روئے علی ۔۔۔ سجدہ گاہ ماست محراب دو ابروئے علی

آپ کو وہ کلام نہایت مرغوب اور محبوب ہوتا تھا جس میں ذکر و فضائل مرتضوی
ہوتا تھا جب بہ سبب تحریر و تقریر مناقب مرتضوی شہرت آپ کے غلوئے محبت
کی لوگوں کو معلوم ہوئی تو چند اصحاب ذی علم اہل سنت والجماعت جن کے نزدیک
محبت اہل بیت اتنے غلو کے ساتھ غیر ضروری تھی اور چند اشخاص شیعہ جن کے نزدیک
حنفی المذہب کو مولائے کائنات کے ساتھ اس قدر محبت تعجب خیز تھی حاضر خانقاہ
ہوئے اور دونوں فریق نے آپ سے دربارۂ فضیلت اصحاب ثلاثہ رضوان
اللہ علیہم اجمعین دریافت کیا آپ نے اپنے محققانہ اور بے تعصبانہ تقریر سے
دونوں کو خاموش کر دیا اور اپنا عقیدہ یہ ظاہر فرمایا کہ میں اصحاب ثلاثہ
رضوان اللہ کو اپنا پیشوا اور ہادی اور مطابق حدیث نبوی ہر ایک کو نجم ہدایت
اور ترتیب خلافت کو حق جانتا ہوں اور ہر ایک کے فضائل علیحدہ علیحدہ
جو حدیثوں میں مندرج ہیں سب کو صحیح اور محبت اہل بیت کو بحکم خدا و
رسول ضروری سمجھتا ہوں۔

چونکہ مجھے بوجہ خصوصیات ظاہری و باطنی حضرت علی سے زیادہ محبت ہے اس سے معاذاللہ یہ کوئی نہ سمجھے کہ دیگر خلفاء کی فضیلت میں کوئی کمی جانتا ہوں۔ اس تقریر کو سن کر ہر ایک فریق نے اپنی اپنی راہ لی اور پھر اس کے بارے میں آپ سے کوئی گفتگو نہ کی۔

آپ صاحب سماع اور وجد و حال تھے اور ایسا ذوق کامل رکھتے تھے کہ آپ کو سماع سے کبھی سیر نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ شیخ معین الدین رئیس کمپو میرٹھ جو نہایت خوش اعتقاد مریدوں میں تھے۔ حضرت کے اس قدر ذوق سماع کو دیکھ کر حضرت سے کہا کہ گستاخی معاف ہو تو کچھ عرض کروں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ اجازت ہے کہیے۔ شیخ صاحب لبستہ ہو کر عرض کی کہ اگر اتفاقاً پانچ چھ وقت سے حضور نے کہا غذا تناول نہ فرمائی ہو اور بھوک کا غلبہ بھی ہو اور چند روز سے حضور نے سماع بھی نہ سنی ہو اور طبیعت گانا سننے کی خواہشمند ہو اور ایک شخص حسب خواہش غذا لے کر حاضر ہو اور قوال مزاج داں معہ ساز کے بھی موجود ہو اور وہ شخص یہ کہے کہ حضرت یہ دونوں چیزیں حاضر ہیں مگر دونوں ایک ساتھ نذر نہیں کی جا سکتیں ان میں سے ایک کو آپ پسند فرمائیں۔ اس وقت حضور کس چیز کو ترجیح دیں گے۔ کھانے کو یا گانے کو۔ یہ سن کر حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ شیخ صاحب دل تو یہی چاہتا ہے کہ غذا کو چھوڑ دوں گا اور گانا سنوں گا۔ کیونکہ طعام غذائے جسم ہے اور سماع غذائے روح ہے اور ہمیشہ میری دلی خواہش یہی ہے کہ اگر حالت سماع میں میری روح پرواز کر جاتی تو بہتر تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عین حالتِ سماع میں روح مقدس نے جسم اطہر کو خیرباد فرمایا جس کا مفصل حال انشاء اللہ باب الوفات میں آئے گا۔

ہمارے سرکار کے بعض خاندانی اشغال اس قسم کے ہیں کہ جن کے لیے جنگل یا پہاڑ یا دریا اور تنہائی کا ہونا ضروری ہے۔ یہاں حضرت کو شہرت سے نفرت

یہ بھی کہلوانا پسند خاطر نہیں کہ کوئی کہے کہ جنگل میں جا کر عبادت فرماتے ہیں. لہٰذا شکار کے بہانے سے آپ صحرا نوردی فرماتے اور بحیلہ شکار جنگلوں میں جا کر اپنے اشغالاتِ خاندانی میں مصروف اور مشغول ہوتے۔ مچھلی کے شکار کا بھی اس وجہ سے آپ کو بیحد شوق تھا اکثر لبِ دریا تشریف لے جاتے اور بحیلہ شکار ماہی دن دن بھر چھپڑ ہاتھ میں لئے امواج دریا پر نظر جمائے اپنے شغل میں مصروف رہتے تھے۔ نظر ظاہر بیں تو شکار ماہی کو دیکھتے تھے مگر آپ کچھ اور ہی چیز بحر امواج میں ملاحظہ فرماتے تھے انھیں اشغال اور مشاہدات کی طرف اشارہ کر کے عارف باللہ حضرت مغربی علیہ الرحمتہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

زوریا موج گوناگوں بر آمد　　ز بیچونی برنگ چوں بر آمد

گہے در کسوتِ لیلیٰ فرو شد　　گہے بر صورتِ مجنوں بر آمد

چوں آں دریائے بیچوں موجزن شد　　حباب آسا برو گردوں بر آمد

جو شعر مغربی در بہر لیا سے

لغایت دلبر و موزوں بر آمد

خانقاہ کی آمدنی کا یہ حال تھا کہ ہزار روپیہ نذر کے آتے تھے مگر آپ اس کو چھونا اور اپنے پاس رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے کبھی ملا مزمل خاں کے حوالہ کر دیا اور کبھی سید فراست علی خادم خانقاہ کے سپرد کر دیا۔ نہ اس کا کوئی شمار نہ کوئی حساب کتاب. جب خرچ کی ضرورت ہوئی ان خادمانِ خاص سے دلوا دیا۔ جب ان امینان نے کہدیا کہ اب کچھ نہیں رہے صرف ہو گئے۔ آپ فرماتے خیر اللہ مالک ہے پھر غیب سے سامان ہو جاتا۔ آپ نے کبھی روپیہ جمع کر کے نہیں رکھا۔ فرماتے کہ یہ توکل کے خلاف ہے ہمارے پیرانِ عظام کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے جو آتا تھا خرچ کر ڈالتے تھے۔ جب نہیں رہتا خدا پر بھروسہ کر کے جملہ امور کو خدا کے سپرد کر دیتے تھے وہ غیب سے اس کا سامان کر دیا

کر دیتا تھا۔ اکثر فرماتے تھے سے

خدا خود میر سامان ست اربابِ توکل را

سادات کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم و خاطر داری فرمایا کرتے تھے۔ اکثر سادات اہلِ حاجات کو خفیہ طور سے کچھ نقد دیا کرتے تھے کہ کسی کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا تھا۔ جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی نے کیسی ہی بیش قیمت چیز کی استدعا کی چاہے کیسی ہی ضرورت کے واسطے وہ چیز کیوں نہ رکھی ہو آپ بلا تکلف دیدیتے تھے اور اس چیز کے بیش قیمت ہونے کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ آپ باوجود اس جلالت قدر اور علو منزلت اور وسعتِ علم کے ہمیشہ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اور اُن سے محبت کرتے اور اپنے معتقدوں اور ملنے والوں کے ساتھ تواضع و تکریم اور اخلاق سے پیش آتے بڑوں کی عزت کرتے اور چھوٹوں پر شفقت کرتے۔ دوستوں کو عزیز کہتے سب کے ساتھ شگفتہ روی اور دلجوئی سے پیش آتے آپ کی وفورِ عنایت اور شفقت و محبت سے آپ کا ہر ملنے والا یہی سمجھتا تھا کہ آپ مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں اور مجھی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ آپ ہر شخص سے عاطفت و عنایت یکساں ملتے تھے اگر کسی سے کوئی قصور ہو جاتا تو اس کو در گذر فرما دیتے آپ اپنے علم و کشف کو بہت چھپاتے تھے آپ کی زبان سے کسی اپنے بدخواہ کے لیے بھی بددعا نہیں نکلی۔ آپ اپنے نفس کے لیے کبھی کسی پر غصہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ کو اہلِ علم اور طالبانِ خدا و اہلِ ذکر و شغل سے نہایت محبت تھی زور و مکر۔ تصنع و بناوٹ سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ آپ نے ساری عمر میں کبھی کوئی جھوٹ بات منھ سے نہیں نکالی۔ فروتنی اور کسرِ نفسی کا یہ حال تھا کہ آپ اپنے کو سب سے خرد اور حقیر سمجھتے تھے۔ جب کوئی آپ سے ملنے کو آتا آپ اس کی کمال تعظیم و تکریم کرتے اور خود ابتدا سلام کی کرتے۔ بہ نسبت کلام کرنے کے آپ کو سکوت زیادہ پسند تھا۔ آپکے گرد ہر وقت مخلوق خدا کا ہجوم رہا کرتا تھا اور مخلوق پروانہ وار آپ کے قدموں پر نثار ہوتے تھے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کی خانقاہ کی جاروب کشی کو فخر سمجھتے تھے

اور آپ کے حضور میں مودب بیٹھے تھے اور سواری کی حالت میں آپ کی سواری کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے۔ جب آپ منع فرماتے تو وہ لوگ کہتے کہ آپ کے ساتھ چلنا اللہ کے راستہ پر چلنا ہے۔ بڑے بڑے مشائخ طریقت جب آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوتے تو آپ کی چوکھٹ کو چومتے اور آپ کے ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ دیتے۔ آپ نے کبھی والیانِ ملک اور حکام انگریزی اور اُمرا اور اہل دول کی تعظیم بوجہ ان کے جاہ و ثروت کے نہیں کی اور نہ کبھی ان کے بنگلہ یا گھر یا قلعہ پر اُن سے ملنے کے لیے گئے۔ بلکہ وہ لوگ خود آپ کی تعظیم کیا کرتے اور آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کسی سائل کے سوال کو کبھی رد نہیں کرتے تھے۔ اگر بروقت کچھ موجود نہ ہوتا تو بہ سہولت اس سے معافی چاہتے۔ آپ فرماتے تھے کہ تمام اعمال سے بہتر غریبوں کو کھانا کھلانا اور ان کی خدمت کرنا اور ان کے ساتھ خلق سے پیش آنا ہے۔ باوجود کمال تبحر علمی آپ اپنے کو ہمیشہ طالب علم فرمایا کرتے تھے اور باوجود قابلیت اور نہایت خوش تقریر اور فصیح البیان ہونے کے کبھی مسجد میں ممبر پر چڑھ کر وعظ دیتا نہیں فرمایا۔ آپ کا قول تھا کہ ممبر جائے رسول ؐ ہے اس پر قدم رکھنا میں بے ادبی سمجھتا ہوں میں اپنے آپ میں اتنی قابلیت نہیں پاتا کہ رسول ؐ کی جگہ پر جا بیٹھوں ادب کے خلاف ہے۔ مگر اپنی مسند مبارک پر بیٹھ کر حقائق و معارف احکام شریعت و طریقت اس قدر بیان فرماتے کہ سامعین کے قلوب روشن ہو جاتے تھے۔ اثنائے تقریر میں باوجود آدمیوں کی کثرت کے آپ کا کلام دور کا آدمی بھی ایسا ہی سنتا تھا جیسا کہ نزدیک کا۔ آپ اہل مجلس کے دل کی بات ذریعہ کشف و ریافت کر لیتے تھے اور اُن سے اُسی اعتبار سے گفتگو فرماتے تھے۔ آپ نے اکثر تخلیہ میں خواص سے فرمایا کہ اگر آداب شریعت مانع نہ ہوتے تو میں کہہ دیتا اور بتا دیتا کہ تم لوگ کیا کھاتے ہو اور کیا جمع کرتے ہو۔ کیا کر چکے اور کیا کرنے والے ہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں کے دلوں میں ہے اور جو کچھ تمھارے گھروں میں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ سرکار نے اپنے خواص سے خلوت میں فرمایا کہ حضور

تاج الاولیا نے مجھے ایک ایسے شغل کی تعلیم کی اور فرمایا کہ اس شغل کا تکملہ اس وقت سمجھنا کہ جب اس مکان کی پختہ دیوار تمھارے لیے حاجب نہ ہو جب چاہو اس سے باہر چلے جاؤ اور جب چاہو واپس چلے آؤ۔ چنانچہ اس شغل میں مشغول ہونے کے چند ہی روز کے بعد یہ حالت ہوئی کہ مجھے کوئی دیوار یا سقف حائل نہیں معلوم ہوتی تھی میں دیوار سے باہر چلا جاتا تھا اور پھر اندر چلا آتا تھا۔ دروازہ حویلی کا بند رہتا تھا اور میں باہر گلی میں ٹہلا کرتا تھا اور جب جس دیوار سے چاہتا تھا اندر چلا آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے حضرت کا کشف اس قدر وسیع تھا کہ ادنیٰ توجہ میں دہلی اور کلکتہ۔ لاہور کے حالات بیان کرنے لگتے۔ جب جہاں چاہتے تھے آن کی آن میں پہونچ جاتے تھے۔ اور فوراً لوٹ آتے تھے۔ استغنا کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ میں حضرت کے حضور میں بیٹھا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ ڈاک سے بہت سے خطوط مریدوں کے آئے تھے۔ حضرت اس کو پڑھ پڑھ کر رکھ رہے تھے منجملہ ان خطوط کے کسی جگہ سے ایک بہت بڑے رئیس مرید نے عرضی لکھی تھی کہ جس میں اپنے حسن اعتقادی کا اظہار کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے اور دس بارہ ہزار روپیہ سالانہ منافع کی میری جائداد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی کل جائداد خانقاہ پر وقف کر کے حضور میں نذر پیش کر دوں۔ اجازت ہو تو تکملہ رجسٹری کا باضابطہ کرا کے داخل خارج حضور کے نام کرا دوں۔ حضرت نے پہلے خط کو آہستہ پڑھا پھر ہم لوگ حاضرین جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر بہ آواز بلند پڑھا اور فرمایا کہ میں گانوں علاقہ لے کر کیا کروں گا کل مخلوق کہے گی کہ میاں صاحب۔ تعلقہ دار ہو گئے اب فقر و درویشی نہ رہی۔ اگر وقت پر مالگذاری نہ ادا ہوئی تو تحصیل کے پیادے وارنٹ اور قرقی کا حکم لے کر خانقاہ میں آئیں گے۔ اس وقت اللہ کی یاد میں خلل پڑے گا۔ لہٰذا میں اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔ میرے حال پر افسوس ہے جو میں بجائے فقیر کہلانے کے علاقہ دار کہلاؤں میرے توکل میں جو مجھے اپنے پیروں اور آباد اجداد سے میراث میں ملا ہے اس میں بٹہ لگ جائے گا۔ اس کے بعد آبدیدہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ ہمارے خواجگانِ چشت میں سے کسی نے جاگیر۔ گانوں وغیرہ قبول

نہیں کیا۔ سب سے پہلے اسی خط کا جواب قلم دوات منگا کر فوراً انکار لکھدیا۔ حضرت بو علی شاہ قلندر خوب فرماتے ہیں ؎

چیست درویشی بگویم اے فقیر ‏ ‏ ‏ لا طمع بودن ز سلطان و امیر

باب سوم

کلماتِ طیبات وارشات و ملفوظات

آپ عالم ربانی۔ مقبول یزدانی۔ حقایق و معارف میں وحید العصر۔ کرامت و خوراک عادات میں فرید الدہر۔ زہد و ورع میں کامل ریاضت و عبادت میں بے مثل تھے۔ آپ زبدۃ الاولیاء کرام۔ عمدۃ المشائخ عظام۔ جامع برکات و صاحبِ کشف و کرامات۔ اکابر اولیاو اعظم اصفیا سے تھے۔ آپ عالم علوی ظاہری ماہر رموز باطنی۔ محرم اسرار شریعت۔ واقف رموز طریقت۔ لسان الرحمٰن۔ فصیح البیان سلطان طریقت و حقیقت قطب الوقت امام و شیخ زماں تھے۔ علوم احادیث و تفسیر وغیرہ میں شانِ عالی رکھتے تھے۔ ریاضت و کرامت اور توکل و قناعت میں آیتِ عظیم اور لطائف و حقائق میں کامل و اکمل تھے۔

ہمارے سرکار سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو شریعت محمدیہ کی پابندی کی سخت تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ‏ ‏ ‏ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور فرمایا کرتے تھے کہ شریعت و طریقت کے احکام گو بظاہر علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت میں دو نہیں ہیں۔ ظاہر احکام رسولؐ کا نام شریعت اور اسی کے باطنی کا نام

طریقت ہے گویا دونوں ایک ہی چیز ہے۔ صرف ظاہر و باطن کا فرق ہے۔ اپنے طریقہ والوں کو سخت تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی یاد سے ایکدم بھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔ فرماتے تھے کہ ؎

ہر آن کو غافل از حق یک زمان است — ہماں دم کافر است امانہان است

آپ محبت اہلبیت اور خدمت و تعظیم و تکریم سادات عظام کے لیے بھی مبالغہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ مشائخان طریقت اور اُن کے متبعان کا یہی طریقہ رہا ہے۔

ارشاد ۳۲:- ایک شخص خانقاہ میں حاضر ہوا بعد قدمبوسی کے اُس نے عرض کی کہ میں سفر میں جانا چاہتا ہوں میری امداد فرمائی جائے۔ فرمایا سفر میں تم کو کیا مدد دے سکتا ہوں۔ اگر تم اپنا مددگار چاہتے ہو تو خدا کو اپنا مددگار سمجھو اور اگر ساتھی چاہتے ہو تو کراماً کاتبین تمہارے ساتھ ہر وقت موجود ہیں۔ اگر عبرت چاہتے ہو تو دنیا کافی ہے۔ اگر مونس چاہتے ہو تو قرآن کافی ہے۔ اور اگر کچھ کام کرنا چاہتے ہو تو عبادت اور یاد خدا کافی ہے اور اگر پند و نصیحت چاہتے ہو تو موت کافی ہے اگر تم اس میں سے کچھ نہیں چاہتے ہو تو تم جانو اور تمہارا کام

ارشاد ۳۳:- ایک دفعہ حضرت فرمانے لگے کہ اگلے پیرانِ طریقت کا یہ دستور تھا کہ جب مرید کو اجازت اور خلافت عطا کرتے تھے تو اُس کے ساتھ ہی کلاہ چارترکی بھی اُس کے سر پر رکھتے تھے۔ اس چارترکی سے مراد چار چیزوں کا ترک کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اوّل ترک دنیا۔ دوم۔ ترک عقبیٰ یعنی سوائے حق کے کسی سے مقصود نہ رکھنا ؎

مامقیماں کوئے دلداریم — رُخ بہ دنیا و دیں نمی آریم

سوم۔ ترک خورد و خواب مگر بمقدار قلیل بغرض قیام حیات کہ یہ عبادت خداوندی کرنے کے لیئے ضروریات سے ہے۔ چہارم۔ ترک خواہش نفس امارہ یعنی جو نفس کہے اس کے خلاف کرنا۔

ارشاد ۳۴:- ایک مرتبہ فرمایا کہ جس دل میں آواز خوش اور موزوں جس کو سماع کہتے ہیں مؤثر نہ ہو وہ دل خدا کے عشق و محبت سے خالی ہے

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ پاک نے پانی اور مٹی سے بنایا اور خوش آوازی کو آتش عشق سے پیدا کیا اور اس میں رازہائے پنہانی کو مخفی رکھا ہے اگر خوش آوازی میں آتش عشق نہ ہوتی تو ہرگز اس میں اسرار نہانی نہ ہوتے اور حضرت داؤد علیہ السلام کو خوش آوازی کا معجزہ نہ دیا جاتا ؎

آتش عشق است کاندر نے فتاد　　　جوشش عشق است کاندر مے فتاد

جیسا کہ انسان کامل کے کلام سننے سے اہل فہم کی طبیعت بدل جاتی ہے اسی طرح سماع کے سننے سے اہلِ دل کی حالت بدل جاتی ہے۔ جو لوگ کہ سماع کو حرام کہتے ہیں وہ اس کے مصالح اور لذت سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگر واقعی سماع حرام مطلق ہوتا تو رسول صلعم کسی قسم کا کوئی گانا کبھی نہ سنتے۔ جیسے شراب کہ حرام مطلق ہے۔ رسول اللہ صلعم نے کبھی نہیں پی اور نہ اس مسئلہ میں کبھی علماء کا اختلاف ہوتا۔ اس میں علماء کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ سماع حرام نہیں ہے۔ جو لوگ اپنی بے سمجھی سے اس کو حرام مطلق کہتے ہیں وہ مجبور ہیں سماع کے فوائد اور اسرار کو نہیں جانتے

قدر گل و مل بادہ پرستاں دانند　　　نے سنگدل و نہ تنگ داستاں دانند
تو بادہ نہ خوردۂ کہ قدرش دانی　　　سرلیست دریں پردہ کہ مستاں دانند

ارشاد:- ایک مرتبہ فرمایا کہ عبادت اور عبودیت میں بڑا فرق ہے۔ عبادت ادائے فرائض و سنن اور ادائے ورد و وظائف کا نام ہے اور عبودیت ذات حق میں فانی اور مستہلک ہونے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

اولیا اندر جہاں باشد بسے　　　لیک عبد اللہ نہ باشد ہر کسے

جب ذاتِ خدا میں فنا ہوجانے کا نام بندگی ہے تو عابد کو چاہیئے کہ ذاتِ خدا میں مٹ جائے اور اس کی یاد سے ایک دم بھی غافل نہ رہے تاکہ ایک لحظہ بھی اس سے دوری نہ ہو کیونکہ ؎

دمے بے یاد او بودن حرام است

سمجھ لو کہ غفلت سے ہی دوری ہوتی ہے اور دوری کا نام مہجوری و خرابی ہے ع

بہر جائیکہ باشی باخدا باش

ارشاد:- ایک مرتبہ ہمارے سرکار حقیقت عقل و عشق کی بیان فرمانے لگے اور ان دونوں میں جو فرق ہے اس کو اس حسن و خوبی کے ساتھ بیان فرمایا۔ کہ سامعین میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ گو مجھے ساری تقریر تو یاد نہیں ہے مگر مختصراً کچھ دماغ میں محفوظ رہ گیا ہے کو عرض کرتا ہوں۔ فرمایا کہ عشق رہنمائے عارفاں ہے اور عقل رہزن سالکاں ہے۔ عشق صرف خدا کو چاہتا ہے اور عقل اس کے خلاف کو عشق وحدت کو چاہتا ہے اور عقل کثرت کو۔ عشق۔ تنزیہ کی طرف جاتا ہے اور عقل تشبیہ کی طرف لہٰذا اگر کوئی شخص اس عقل کے ذریعہ سے خدا کو بلا امداد عشق کے تلاش کرنا چاہیے تو ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا ع

عشق در ہر دل کہ باشد رہبر درکار نیست

اس وقت آپ یہ چند اشعار حضرت فریدالدین عطار علیہ الرحمۃ کے اپنی زبان پر لائے ؎

عشق چہ بود قطرہ دریا ساختن ... از دو عالم باخدا پر داختن
عشق از ہستی خود وارستن است ... در مقام مدی پیوستن است
عشق دریائے است بے قعر و کران ... عشق بیرون است از شرح و بیان
در دل عاشق چو عشق آتش فروخت ... ہر چہ جز معشوق بود او را بسوخت
گر مقام عشق ماوائے تو شد ... بر فراز نہ فلک جائے تو شد
دین عاشق عشق و تجرید و فناست ... مذہبش تفرید و ترک ماسوا است
عقل کے بیند جمال عشق را ... عقل کے داند کمال عشق را
عقل در اسباب میدارد نظر ... عقل می گوید مسبب را نگر
عقل گوید دنیا و عقبیٰ بجو ... عشق میگوید بجز مولا مجو

عقل گوید علم آموز و ہنر عشق می گوید ز ہستی در گذر

عقل میگوید ہمیشہ جاہ مال
عشق گوید جملہ را کن پائمال

خلاصہ یہ ہے کہ عشق و محبت کے مراتبات کو اس شرح و لبسط کے ساتھ بیان فرمایا کہ کبھی کانوں نے نہیں سُنے تھے۔ آخر میں فرمایا ؎

با عاشقے نشین و ہمہ عاشقی گزین باہر کہ نیست عاشق باا و مشو قرین

ارشاد:- ایک مرتبہ اہل جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ انسان کو دنیا میں اس طرح رہنا چاہیئے جیسے پانی میں بط رہتی ہے کہ جب اس سے نکلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کبھی پانی میں تھی ہی نہیں۔ اسی طرح انسان کو اس دنیا میں رہنا چاہیے کہ جب اس کو دریائے دنیا سے نکلنا ہو یعنی جب اُس کے مرنے کا وقت آئے تو اس طرح دنیا سے جائے۔ جیسے بط پانی سے بے لوث نکلتی ہے۔ ذرا بھی دنیا کی محبت اُس کے دل میں نہ رہے اور آخرت کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہ کرے ؎

خطرے کو حُبِ جاہ کے دل سے نکالیئے یہ بے طرح کا چور ہے گھر میں گھسا ہوا

ارشاد:- ایک مرتبہ فرماتے لگے کہ دنیا و ما فیہا کی ساری نعمتیں اگر جمع کی جائیں تو اس کی قیمت ایک جو کے برابر بھی بمقابلہ اُس درد کے جو خدا کی محبت کے سبب سے پیدا ہوتی ہے نہیں ہے۔ لہٰذا صحبت اہل درد اختیار کرنا چاہیے اور انکی صحبت کے اثر سے اپنے دل میں درد پیدا کرنا کہ یہ بہت بڑی دولت ہے یہ درد مجازی عشق سے ہو یا حقیقی سے اگر مجازی ہے تو بمصداق "المجاز قنطرۃ الحقیقت" ایک روز یہی مجاز بام حقیقت کی سیڑھی بن جائے گا۔ مُلّا جامی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است

کہ آں بہر حقیقت کارسازی است

بلوح اوّل الف باتاتہ خوانی　　زقرآں درس خواندن کے توانی

ولی باید کہ در صورت نہ مانی　　وزیں چلن زو خود را بگذرانی

اگر انسان اپنی بدقسمتی سے ان دردوں میں سے کسی درد کو اپنے دل میں پیدا نہ کر سکا تو وہ انسان نہیں حیوان ہے کیونکہ ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو　　ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ارشاد ۹:- ایک مرتبہ فرمایا کہ طالب حق کو اس طرح زندگی بسر کرنا پائے کہ اگر اس کو کسی سے کوئی رنج پہونچ جائے تو یہ اس کو آرام پہونچائے اگر کوئی اس کے ساتھ برائی کرے تو یہ اس کی بھلائی کرے۔ غرض کہ کسی قسم کی کسی کو تکلیف نہ پہونچائے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا　　اگر مردے احسن الیٰ من اسا

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ کسی کی برائی نہ چاہے بلکہ جہاں تک ہو سکے نیکی کرے اور اس کو بھول جائے۔ بھلائی اور برائی یاد نہ رہے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است　　با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ارشاد ۱۰:- طالب خدا کو طلب حق میں شکستہ دل رہنا چاہیئے کیونکہ کسی ٹوٹی ہوئی چیز کی قیمت نہیں ہوتی۔ مگر دل کی جتنا ہی دل شکستہ ہوگا، اتنی ہی اس کی قیمت زیادہ ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کریم سے پوچھا کہ یارا الٰہا میں تجھ کو کہاں ڈھونڈھوں اور کہاں پاؤں اللہ تعالیٰ نے فرمایا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قلوبِہِمْ ط یعنی مجھ کو شکستہ دلوں میں تلاش کرو میں وہیں ملوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ خداوندا مجھ سے زیادہ کوئی شکستہ دل نہ ہوگا حکم ہوا کہ بس مجھ کو اپنے دل میں تلاش کرو۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

من لمسیحہ وستہ ارض ولاحرا　　بیت المقدس دل بے شرک جائے اوست

کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ یعنی مومنوں کا دل محل تجلیات الٰہی ہے۔

ارشاد ۱۱: ایک مرتبہ حاضرین جلسہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ وحدت نے لباس کثرت کا پہنا لہٰذا عوام کی آنکھیں سوائے کثرت کے کچھ نہیں دیکھتیں مجبوراً وحدت سے انکار کر بیٹھیں مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اگر ہزار برس فکر و تلاش کرو گے تو سوائے اس ایک ذات کے کسی وجود کا پتہ بھی نہ پاؤ گے۔ وہی ایک ذات جو ہزاروں صورت اور شکل میں نمایاں ہے۔

بہر صورت نمودہ ذات خود را گہے بر شکل آدم گاہ حوّا

بلکہ قید اطلاق سے بھی مبرّا ہے ؎

تے یکے گنجد درا نجانے دوئی گفتن رواست لبسکہ ہست عالی تر اطلاق کم و بسیار ما

کلمہ لا الہ الا اللہ کے بھی یہی معنی ہیں کہ سوائے خدا کی ذات کے کوئی موجود ہی نہیں ہے مثال وحدت اور کثرت کی اس طرح سمجھائی کہ وحدت مثل نقطہ کے ہے اور کثرت مثل حرف اور خط کے اگر ان کو غور کی نگاہ سے دیکھو گے تو سوائے نقطہ کے مجموعہ کے اور کچھ نہ پاؤ گے حروف اور خطوط حقیقتاً کل نقطہ ہی نقطہ ہیں جو صرف ایک جنبش کے چند نقطے مل کر بصورت الف۔ با۔ تا۔ مختلف حروف اور خطوط میں دکھائی دیتے ہیں۔ انھیں معنوں میں مولانا روم فرماتے ہیں ؎

علم حق در علم صوفی گم شود ایں سخن کے باور مردم شود

چونکہ فہم ناقص اس شعر کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے لہٰذا حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رح نے اس شعر کی شرح اس طرح فرمائی ہے ؎

علم صوفی خط و علم حق نقط از وجود نقطہ باشد بود خط

نقطہ جنبش کرد خط آمد پدید لیک ذات نقطہ را در خود نہ دید

زیں سبب فرمود حضرت مولوی از کمالِ معرفت در مثنوی

علم حق در علم صوفی گم شود
ایں سخن کے باور مردم شود

اسی مضمون وحدت وجود کو ایک موحد اس طرح سمجھاتے اور فرماتے ہیں ع
وحدت اندر کثرت است وکثرت اندر وحدت است

یہ غیر اور غیریت محض فرضی اور اعتباری برائے نام نہاد ہے ورنہ حقیقت میں بجز اُس ایک ذات کے دوسری ذات کا وجود ہی نہیں ہے ؎

کجا غیر وکو غیر وکو نقش غیر   سوائے اللہ واللہ مافی الوجود

ارشاد ۱۲ :- انسان کو جو کچھ رنج وراحت پہونچے سب کو من جانب اللہ اور مشیت ایزدی سمجھ کر راضی برضا رہے اور ہر حال میں خوش رہے اور سچے دل سے کہے کہ رضینا برضاء اللہ راضی ہیں۔ ہم اس میں صنم جس میں کہ ہے تیری رضا ؎

رضائے او طلب تامی توانی   رضا او ست گنج جاو دانی

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مقام پر پہونچا ایک مست فقیر کو دیکھا کہ بیہوش پڑا ہے اور تمام بدن اس کا سڑ گیا ہے اور ہزاروں چیونٹیاں اس کے منھ اور زخموں میں بھری ہیں۔ مجھ کو یہ حال دیکھ کر بہت ترس آیا میں نے اس کے سر کو اٹھا کر اپنے گود میں لے لیا اور اس کے زخموں سے چیونٹیاں نکالنے لگا وہ ایک مرتبہ چونکا اور کہا کہ یہ شخص کون فضولی ہے جو میرے اور میرے اور میرے دوست کے راز دنیا نہ میں ہارج اور مانع ہوتا ہے۔ میں اُسی اپنے دوست کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا ہر ایک عضو ٹکڑے ٹکڑے اور تمام بدن سڑ جائے اور ہر زخم میں کیڑے پڑ جائیں میں ہر حالت میں راضی برضا ہوں۔ جس قدر زخم بڑھتا جائے گا اسی قدر میری محبت بھی زیادہ ہوتی جائے گی عاشق کا کام یہی ہے کہ یار کی ہر ادا پر راضی برضا رہے سلطان العارفین حضرت

بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا مجھ سے راضی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس شخص کے جاننے کا بہت آسان طریقہ ہے وہ یہ کہ تم اپنے کو دیکھ لو کہ تم خدا سے کتنا راضی ہو۔ پس اسی سے سمجھ لو کہ خدا بھی تم سے اتنا ہی راضی ہے اگر تم خدا سے راضی نہیں ہو تو خدا بھی تم سے راضی نہیں ہے۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کے بھی یہی معنی ہیں۔

ارشاد ۱۳۱:- ایک مرتبہ فرمایا کہ شریعت کی راہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا اور امر و نواہی کی تعمیل کرنا ہے اور عشق و محبت کی راہ میں راز و نیاز ہے۔ جب تک اس راہ میں سر نہ دے گا۔ اس کے اسرار کو نہ پائے گا ؎

نیازیؔ عشق کا کوچہ بھی دنیا سے نرالا ہے
حیاتِ جاوداں پائے اگر اس میں کوئی سر دے

جب تک سالک خمخانۂ عشق و محبت میں مخمور و سرشار نہ ہوگا بارگاہِ وحدت میں نہ باریابی حاصل کر سکے گا اور نہ مقام حضوری میں پہونچ سکے گا ؎

در میکدۂ وحدت و ہشیار نمی گنجد — در عالم بیرنگی جز یار نمی گنجد

ارشاد ۱۴۱:- ایک مرتبہ برادر طریقت قاضی حکیم الدین مختار مراد آبادی نے جو ایک نہایت خوش طبع زندہ دل بامذاق آدمی تھے۔ حضرت کے حضور میں اپنی کمی رزق کی شکایت اور وسعتِ رزق کی استدعا کی حضرت نے فرمایا کہ قاضی قاضی صاحب حق سبحانہ تعالےٰ کا شکر ادا کرو کہ وہ تم کو کھانے کو روٹی دیتا ہے پہننے کو کپڑا بھی دیتا ہے۔ ضرورت کے وقت بازار سے سودا منگانے کو روپیہ پیسہ بھی دیتا ہے۔ مکان رہنے اور آسائش کرنے کو بھی دیا ہے۔ بال بچے بھی دیئے ہیں اور ان کی روٹی کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ پھر کیا چاہتے ہو اس نے وعدہ کیا ہے کہ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا یعنی روئے زمین پر کوئی ایسی جاندار چیز نہیں ہے جس کے رزق کا

ضامن خدا و ندکریم نہ ہو۔ پس نہایت افسوس کی بات ہے کہ تم خدا کے کہنے کا اعتبار نہیں کرتے اور دوسروں سے اس کی شکایت کرتے ہو اور اپنی حاجت دوسروں سے چاہتے ہو ذرا غور کرو اپنے دل میں شرمندہ ہو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور اپنے کو مسلمان کہتے بھی ہو اور خدا اور اس کے وعدوں پر ایمان نہیں لاتے وہ مالک حقیقی جس کو جس قدر مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے اس نے اپنے اختیارات میں کسی کو کچھ دخل نہیں دیا ہے۔ پس قاضی صاحب اللہ ہی کی طرف رجوع کرو اور اسی سے مانگو جس سے جو کچھ پایا اُسی سے پایا یقین جانو کہ تم سے بہتر کتے ہیں کیونکہ ان کے مالک بعض وقت ان کو مار بھی دیتے ہیں۔ جھڑک کر دھتکار کر گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ مگر وہ کتا اپنے مالک کا دروازہ چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا گھوم پھر کر اپنے مالک ہی کے دروازہ پر آتا ہے اور اُسی سے اپنے کھانے کو مانگتا ہے۔ قاضی صاحب تمہارے مالک نے تنبیہاً اور امتحاناً اگر تمہاری آمدنی کچھ روز کے لیے کسی مصلحت سے کچھ کم کر دی تو تم اس کی ذرا سی تنبیہ پر اُس سے خفا اور بے صبر ہو کر اس کے آستانے سے نکل کھڑے ہوئے اور مجھ سے اُس کی شکایت کرتے ہو۔ صبر کرو پھر وہی پوری غذا تم کو دے گا۔ دوسرا نہیں دے سکتا اس کی کمی کوئی پورا نہیں کرسکتا ہے

ایکہ در رہ دیں قرب خدای طلبی آرزو از در مخلوق چرا می طلبی

۱۵ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان چشت علیہ الرحمتہ نے

ارشاد:- مسئلہ وحدت الوجود کو اس طرح سمجھایا ہے کہ سوائے ایک ذات خدا کے دونوں عالم میں دوسرا کوئی موجود ہی نہیں ہے ظاہر بھی وہی ہے باطن بھی وہی ہے ھُوَ الظَّاھِرُ ھُوَ الباطِنُ ط کے یہی معنی ہیں۔ تم کو صرف تمہارے وہم نے خدا سے جدا کر رکھا ہے۔ تم اپنے کو خدا سے علیٰحدہ کر کے خدا کی تلاش کرتے ہو اس وجہ سے وہ تم کو نہیں ملتا ہے

تو از خود غیر می جوئی ازیں معنی نمی یابی ۔۔۔ چو باشد غیر نا پیدا تو از پیدا چہ می جوئی

حقیقت میں صورت۔ صورت حق۔ باطن۔ باطن حق ہے۔ صرف تمہارے وہم پندار نے تم کو خدا سے جدا کر رکھا ہے ؎

خدا از تو نہ ہیچو راست وہمت کرد ہیچورت ۔۔۔ اگر معنی ہمیں معنی اگر صورت ہمیں صورت

تم معنی تنزیہ جانو اور صورت کو تشبیہ۔ اگر غور کرو اور انصاف کی نظر سے دیکھو تو تنزیہ اور تشبیہ میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ تنزیہ عین تشبیہ اور تشبیہ عین تنزیہ ہے۔ جب شیطان نے تشبیہہ اور تنزیہ میں فرق جانا اور دوئی درمیان میں لایا آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا۔ لہٰذا مردود بارگاہ الٰہی ہو گیا اور طوق اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي اِلٰى يَوْمِ الدِّيْن کا اس کے گلے میں ڈالدیا گیا پس سمجھ لو کہ شیطان کے مردود و ملعون ہونے کا باعث بھی اس کی غیریت اور احولیت ہے۔ اس نے اپنی نادانی اور نا فہمی سے تنزیہ کو تشبیہ سے الگ جانا یہ نہ سمجھا کہ تنزیہ عین تشبیہ اور تشبیہہ عین تنزیہ ہے۔ حضرت فریدالدین عطار زبان حق کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا خوب فرماتے ہیں ؎

چو آدم را فرستادیم بیروں ۔۔۔ جمالی شد عیاں زیں راز پنہاں

جمالِ خویش از پیدا نہا دیم ۔۔۔ کہ حسن خویش در صحرا نہادیم

حق سبحانہٗ تعالیٰ نے مقام تنزیہ میں فرمایا اَنَا مُسْتَحِقُّ السَّجُدُ اس وقت نے اس قول خداوندی کو تسلیم کر لیا تھا اور اس قول کو اپنے دل میں یاد رکھے ہوئے تھا۔ جب اللہ جلالہٗ نے چاہا کہ اب میں تشبیہہ کی صورت میں پکڑوں تو پہلے اس نے آدم کی صورت پکڑی اور اس کی ظاہری اور باطنی صورت میں اپنے صفات میں سے کچھ اوصاف عطا کئے خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ اور آیت مقدسہ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ط اس قول پر شاہد عادل ہے۔ جب اس ذات منزہ نے تشبیہہ میں آکر صورت بشری آدم کی قبول کی تو ملائکہ کو حکم دیا قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ط یعنی ہیں نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چونکہ کل ملائکہ سوائے ابلیس کے تنزیہ اور تشبیہہ میں کچھ فرق نہیں جانتے تھے۔ دونوں کو ذات واحد کی شان اور

دونوں قول کو اسی ایک ذات کا قول سمجھتے تھے۔ لہٰذا بمجرد حکم ہونے کے فوراً ہی آدم کو سجدہ کر دیا توحید باری تعالیٰ کے سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی اوّل قول اَنَا مُسْتَحِقُّ السَّجْدَۃ جو مقام تنزیہ میں کہا گیا تھا اُسی کو عین تشبیہہ کا حکم جانا اور قول ثانی قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ جو مقام تشبیہہ میں کہا گیا تھا اُسی کو وہی عین تنزیہ کا حکم سمجھا۔ لہٰذا آستانۂ وحدت سے سر نہ پھیرا اور تنزیہ و تشبیہہ میں غیرت نہ جانی آدم کو سجدہ کرنا عین خدا کو سجدہ کرنا سمجھا اور حکم ہوتے ہی سربسجود ہو گئے اور یہ سمجھا کہ ؎

بروحدت ذات ست عرض کثرت شانت   یک شان تو خلق است و گر شان خدائی

اسی مقام کو ایک بزرگ اپنی اصطلاح میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

چو یار آمد ز خلوت خانہ بیرون   ہمون نقش درون بیرون بر آمد

مگر شیطان نے اپنی احولیت سے ان شانوں کو حقیقت میں دو سمجھا۔ لہٰذا دوئی درمیان میں لایا اور تنزیہ اور تشبیہہ کو الگ الگ جانا غلطی کر گیا۔ بے راہ ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کہ تنزیہ عین تشبیہہ اور تشبیہہ عین تنزیہ ہے۔ ایک ہی ذات ہے جس نے مقام تنزیہ میں حکم دیا کہ مجھ کو سجدہ کرو پھر اسی ذات نے صورت تشبیہہ کی پکڑ کر یہ حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اصل کہنے والے کو نہ دیکھا صرف صورت ظاہری میں پڑ کر رہ گیا یہ نہ سمجھا کہ وہ ہی ایک ذات جب یہاں اپنے کو سجدہ کراتی ہے تو پھر غیر خدا یعنی آدم کو سجدہ کرنے کے لیے کیونکر کہے گی۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ ذات واحد دو قسم کا متعارض نہیں دے سکتی کہ کبھی تو اپنے کو سجدہ کرائے کبھی غیر خدا آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دے یہ ناممکن ہے۔ دونوں اصل حکم میں ایک ہی کو سجدہ کرنے کا ہے۔ یہ مقام تنزیہ میں اپنے ہی کو سجدہ کرانے کا حکم ہے۔ مقام تشبیہہ میں بھی اپنے ہی کو سجدہ کرانے کا حکم ہے صرف مقام اور شان کا فرق ہے اور کچھ نہیں مقام تنزیہ میں بھی وہی کہنے والا تھا اور مقام تشبیہہ میں بھی وہی کہنے والا ہے۔ دونوں اسی کے نام اور دونوں اسی کی شانیں

ہیں سوائے خدا کے غیر ہے کہاں جس کو سجدہ کرنے کا حکم ہو گا ؎

تو ئی مقصود اگر مشغول غیرم	توئی مسجود اگر نزدیک دیرم
کجا غیر کو غیر کو نقشِ غیر	سوی اللہ و اللہ ما فی الوجود

اللہ اپنے بندوں کو ابلیس کے پھندوں سے بچائے دوئی میں نہ ڈالے کیونکہ اسی کو شرک کہتے ہیں۔ اللھم احفظنا ؎

معنی آدم جمال دوست داں	ہر چہ غیر اوست اورا پوست داں

ارشاد:۔ ۱۱ ہمارے سرکار مسئلہ وحدت الوجود کو نئے نئے ڈھنگ نئے نئے رنگ نئے نئے طرز مختلف عنوان مختلف تقریروں سے اپنے غلامان کو سمجھا کر دلنشین کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مسئلہ وحدت وجود کو اس طرح سمجھایا کہ اسی ذات منزہ نے لباسہائے گوناگوں و خلعتہائے بوقلموں پہن کر خلوت خانہ وحدت سے بارگاہِ کثرت میں بصورت ماہ شما جلوہ فرمایا اور دونوں عالم کو اپنے جمال کا آئینہ بنا کر شہود کی نگاہ سے اپنے کو دیکھا اور خوش ہوا جیسا ہمارے جناب قبلہ نیاز بے نیاز فرماتے ہیں ؎

یار من باکمال رعنائی	خود تماشا و خود تماشائی
در ازل دیدہ بر رخش واکرد	خویشتن را بخویش شیدا کرد
شد چو جب نظارہ دامنگیر	گشت مطلق بہ دام قید اسیر
ہست عالم تمام مرآتش	کاندرو ظاہر است آیاتش
طرفہ تر اینکہ رائی و مرآت	جز یکے نے چہ گومیت ہیہات
جز عدم نیست غیر ذاتِ خدا	پس بود عین او ہمہ اشیا

حضرت مغربی اسی مضمون کو اس طرح فرماتے ہیں ؎

چوں عکس رخ دوست در آئینہ عیاں شد	بر عکس رخ خویش نگارم نگراں شد
چوں عزم تماشائے جہاں کرد ز خلوت	آمد بہ تماشائے جہاں جملہ جہاں شد

ہم کثرت خود گشتہ در وحدت خود دید　　ہم عین ہموں آمد و ہم عین عیاں شد

ہم پردہ بر انداخت ز رخ کرد تجلی　　گہہ پردۂ خود گشت و پس پردہ نہاں شد

اے مغربیؔ آں یار کہ بے نام و نشاں بود

از پردہ بروں آمد و با نام و نشاں شد

غور سے دیکھو تو وہی ایک ذات ہے جو ہر آن مختلف شان سے جلوہ گر ہوتی رہتی ہے اور ہر لحظہ مختلف صورت سے ظاہر ہوا کرتی ہے کبھی اسم کے ساتھ مسمٰی ہو جاتی ہے کبھی بے نامی و گم نامی کے پردہ میں چھپ جاتی ہے، کبھی آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔ کبھی پردہ اخفا میں روپوش ہو جاتی ہے۔

ارشاد:- ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میں جو توحید کا بیان اکثر کیا کرتا ہوں وہ اختصار اور پردہ کے ساتھ کرتا ہوں۔ کبھی اس کی اصلی باریکیوں کو ظاہر نہیں کرتا کیونکہ زبان انسان اُس کے کما حقہ بیان کرنے سے عاجز ہے اس کے علاوہ اس کے اظہار کی ممانعت بھی ہے۔ جیسا ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سنائی زباں از قیباں راز　　کہ تا راز سلطان نگوید باز

یہ مسئلہ توحید و تصوف نہایت باریک اور نازک مسئلہ ہے اس کے بیان کرنے کے لیے کتاب اللہ کو داہنے ہاتھ پر اور حدیثِ رسول اللہ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہیئے تاکہ خدا اور رسولؐ کے منشاء کے خلاف نہ ہو اور انسان بدعت کے جال میں نہ پھنسے علم تصوف کے امام حضرت علی ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔ اگر اس کے اسرار کو وہ ظاہر فرماتے تو مشائخ طریقت کیا جانتے اگر سینہ بہ سینہ یہ علم ان تک نہ پہونچتا تو دوسروں کو یہ علم کیونکر معلوم ہوتا لہذا بغیر تعلیم مشائخان طریقت کوئی شخص تصوف سیکھنے کا شوق کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا کیونکہ یہ علم سینہ ہے کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس میں دیکھ کر کوئی اس کو سیکھ لے گا۔ بغیر کفش برادری فقیر یہ علم

حاصل نہیں ہو سکتا۔

عشق را بوحنیفہ درس نگفت — شافعی را در روایت نیست
حنبل از راز عشق بے خبر است — مالکی را درد درایت نیست

ارشاد ۱۸:- ایک مرتبہ حضرت توحید کے بیان میں رطب اللسان تھے۔ جس شرح و بسط کے ساتھ وحدت الوجود کو حضور نے بیان فرمایا میں اس کا اعادہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کا بیان کامل طور سے ہو سکتا ہے۔ اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر در و دیوار پر نور توحید چھایا ہوا تھا۔ عجب کیفیت تھی مفصل تقریر تو کوئی کیا ادا کر سکتا ہے۔ مگر اس کا خلاصہ جو دماغ میں محفوظ رہ گیا ہے اس کو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں عرض کرتا ہوں۔ حضرت نے مجمع عام میں جس میں اغیار اور بیشتر طبقہ علماء اور فضلا کے لوگ بھی شامل تھے فرمایا کہ اس وحدت الوجود کے بیان میں صوفیوں کے مختلف اقوال ہیں۔ صوفیہ کرام نے اس مسئلہ کو مختلف اقوال مختلف الفاظ مختلف طریقہ مختلف پیرایہ سے سمجھایا ہے چنانچہ ایک بزرگ اس طرح سمجھاتے ہیں کہ اس وحدت الوجود کے چار درجہ ہیں اور ہر درجہ میں مختلف حالت میں توحید کی ہوا کرتی ہے۔ ان چاروں درجہ کی تفصیل جس طرح آپ نے فرمائی تھی وہ ایک مرتبہ میں مکتوبات صدی مخدوم الملک حضرت شاہ شرف الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ رہا تھا اتفاقاً اس میں وہی چار درجے توحید کے جس طرح ہمارے سرکار نے بیان فرمائے تھے بجنسہ لکھے ہوئے ملے۔ چونکہ دونوں حضرات کے مضامین اور مفہوم واحد تھے لہٰذا اس مضمون کو جنسہ ان کی کتاب سے اس موقع پر نقل کر دیتا ہوں۔

توحید کا پہلا درجہ:- ایک گروہ فقط زبان سے تو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے مگر دل سے توحید حق کا منکر ہے ایسے ہی لوگ اصطلاح شرع میں منافق کہے جاتے ہیں ایسی توحید زبانی مرنے کے بعد یا قیامت

میں کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ تصدیق باللسان کے ساتھ تصدیق بالجنان بھی لازم و ضروری ہے۔

توحید کا دوسرا درجہ:- اس کی دو شاخیں ہیں ایک گروہ زبان سے بھی لاالہ الا اللہ کہتا ہے اور دل میں تقلیداً اعتقاد بھی رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں جیسا کہ ماں باپ سے اُس نے سُنا ہے اُسی پر ثابت قدم ہے اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں۔ دوسرا گروہ زبان سے بھی لاالہ الا اللہ کہتا ہے اور دل میں بھی اعتقاد صحیح رکھتا ہے اور اپنے علم کی وجہ سے اللہ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے اس جماعت کے لوگ متکلمین یعنی علمائے ظواہر کہلاتے ہیں مسلمانان اور علمائے ظاہر کی توحید وہ توحید ہے جس کا ثمرہ ہے شرکِ جلی سے نجات پانا اور آخرت کی سلامتی کرنا خلود دوزخ سے رہائی پانا اور بہشت میں داخل ہونا۔ مگر اس توحید میں مشاہدہ نہیں ہے اس لیے اربابِ طریقت کے نزدیک اس توحید سے ترقی نہ کرنا ادنیٰ درجہ پر قناعت کرنا ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ:- موحد مومن بہ اتباع پیر طریقت مجاہدہ در یافت میں مشغول ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ نور بصیرت دل میں پیدا ہو جاتا ہے اس نور سے اس امر کا مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذاتِ واحد ہے سارا عالم گویا کٹھ پتلی ہے کہ اُسی واجب الوجود کے اشارے پر حرکت کرتا ہے۔ خود اُس کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسا موحد کسی فعل کی نسبت کسی غیر کی طرف نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اپنی چشم یقین سے دیکھ رہا ہے کہ فاعل حقیقی کے سوا کسی فعل کا کوئی دوسرا فاعل نہیں ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ؎

دریں نوع ہم شرک پوشیدہ ہست — کہ زیدم بیازرد و عمرم بخست

یعنی وہ جانتا ہے کہ زید و عمر میں کسی کو مارنے یا آزردہ کرنے کی طاقت نہیں ہے ع

درحقیقت فاعل ہر شے خدا است

آیت قرآنی مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی شاہد عادل ہے یہ توحید عالمانہ ہے اس کا مقام ہمہ از دست اور وحدت شہود ہے اب ہم ایک مثال دے کر سمجھاتے ہیں اس سے توحید عامیانہ اور توحید عالمانہ اور توحید عارفانہ اور ہر ایک کے مراتب علیحدہ علیحدہ معلوم ہو جائیں گے۔

کسی سرائے میں ایک سوداگر آیا اس کے آنے کی تمام شہر میں شہرت ہو گئی

مثال:- لوگ اس کی ملاقات کے خواہشمند ہوئے ایک شخص نے زید سے پوچھا کہ بھائی تم جانتے ہو سرائے میں سوداگر آیا ہے یا نہیں زید نے کہا کہ ہاں صحیح خبر ہے معتبر ذریعے سے ہم کو معلوم ہوا ہے۔ (یہ توحید عامیانہ کی مثال ہے) دوسرے نے عمر سے دریافت کیا اجی حضرت آپ کو کچھ معلوم ہے سرا میں سوداگر جس کی شہرت ہو رہی ہے واقعی آیا ہے کہ نہیں عمر نے کہا ضرور آیا ہے ابھی ابھی میں اسی طرف سے آرہا ہوں۔ سوداگر سے تو ملاقات نہیں ہوئی مگر اس کے نوکر چاکر۔ گھوڑے۔ اسباب خیمہ۔ رہنے کا سب میں دیکھتا آتا ہوں ذرا شک وشبہ سوداگر کے آنے میں نہیں ہے (یہ توحید عالمانہ ہے) تیسرے نے خالد سے پوچھا کہ جناب آپ کو سوداگر کے آنے کی کچھ خبر معلوم ہے یا نہیں خالد نے کہا کہ بیشک آیا ہے میں اس کو دیکھ کر آرہا ہوں مجھ سے اس سے ملاقات اور بات چیت بھی ہوئی ہے۔ (یہ توحید عارفانہ ہے) دیکھو زید نے سُنی سنائی بات پر اعتقاد کیا۔ عمر نے اسباب دیکھ کر دلیل قائم کی۔ خالد نے سوداگر سے ملاقات کر کے یقین کیا ان تینوں میں جو فرق مراتب ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں اہل طریقت کے نزدیک جس توحید میں مشاہدہ نہ ہو وہ توحید کی صورت اور توحید کا قالب ہے۔ اصل توحید نہیں ہے۔ مشاہدہ سے اعتقاد کو کوئی نسبت نہیں۔ مشاہدہ ہر بند کو کھول دیتا ہے۔ مشاہدہ سے استدلال کو کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ

پائے استدلالیاں چوبین بود   پائے چوبین سخت بے تمکین بود

توحید کا چوتھا مرتبہ:- کثرتِ اذکار و اشغال و ریاضت و مجاہدات کے بعد ترقی کرتے کرتے یہاں تک سالک ترقی کرتا ہے کہ بعض بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالےٰ کے سوا اس کو کچھ نظر ہی نہیں آتا تجلیاتِ ذاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ذرّے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی میں نظر نہیں آتے۔ حالانکہ دھوپ میں جو ذرّہ دکھائی نہیں دیتا اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ذرّہ نیست ہو جاتا ہے یا ذرّہ آفتاب ہو جاتا ہے۔ بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوتی ہے وہاں ذرّوں کو چھپ جانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ جس وقت روشندان تابدان وغیرہ سے دھوپ کوٹھری یا سائبان وغیرہ میں آتی ہے اس وقت ذرّوں کو دیکھو صاف نظر آتے ہیں اس کے بعد صحن میں نکل کر دیکھو تو ذرّے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس مثال سے خوب سمجھ لو کہ بندہ خدا نہیں ہو جاتا اور نہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ درحقیقت نیست ہو جاتا ہے بلکہ نابود ہونا اور چیز ہے دیکھنے میں نہ آنا اور شے ہے۔ یا یوں سمجھو کہ ایک آئینہ ہے اس آئینہ میں سالک کو بعض وقت خدا ہی نظر آتا ہے اور خدا کے مشاہدہ میں سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ ہے اس کو نظر نہیں آتا۔ اس سے اور آسان اور واضح مثال یہ ہے کہ تم خود آئینہ کو دیکھو اور اپنے جمال پر محو ہو جاؤ پھر دیکھو تو سہی کہ آئینہ تمہاری نظر سے غائب ہو جاتا ہے یا نہیں ضرور آئینہ نظر سے غائب معلوم ہو گا ایسے موقع پر کیا تم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہو گا کہ آئینہ نیست ہو گیا یا آئینہ جمال ہو گیا۔ ہرگز نہیں نیست ہونا اور بات ہے اور دکھائی نہ دینا اور بات ہے۔ جس کی نظر میں آفتاب انوار حق اسی شان سے ظہور کرے گا اس کی نظر میں ساری ہستیاں گم نہ ہونگی تو کیا ہوں گی فنا فی التوحید کے بعد ایک اور

مرتبہ ہے جس کو فناء الفنا کہتے ہیں اس مرتبہ کا بھی تعلق درجہ چہارم سے ہے کیونکہ اسی درجہ چہارم کے مرتبہ اکمل کا نام ہے اسی لیے اس کو درجہ پنجم نہیں کیا گیا۔ اس مرتبہ میں سالک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کمال استغراق کی وجہ سے اس کے احساس کو اپنی فنائیت کی بھی خبر نہیں ہوتی اور نہ اس کی آگاہی باقی رہتی کہ ہم فنا ہوئے یہاں تک کہ کسی تجلّی کا احساس نہیں ہوتا نہ کسی قسم کا علم رہتا ہے کیونکہ کسی قسم کا علم باقی رہنا اہل طریقت کے نزدیک تفرقہ کی دلیل ہے مقام جمع الجمع جب ہی حاصل ہوگا کہ سالک اپنے کو اور کل کائنات کو دریائے حقیقت میں غرق کردے اور اس کی خبر بھی نہ رکھے کہ کون غرق ہوا ہے

تو درو گم شو کہ توحید ایں بود   گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود

ہمارے حضرت کے سمجھانے اور تقریر کرنے کی یہ تاثیر ہوتی تھی کہ سامعین پر وہ حالت فوراً طاری ہو جاتی تھی۔ اپنے سے گم ہو جاتے تھے۔ بعض وقت حضرت ایسی باتیں ایسے مختصر طور پر فرما دیا کرتے تھے کہ اگر اس کی شرح کی جائے تو ایک مبسوط رسالہ ہو جائے۔ مگر سامعین کو اس مختصر مضامین کی ایسی مبسوط روشنی ہو کر قلب میں آجاتی تھی کہ اس کے پوشیدہ پہلو نظر آنے لگتے تھے اور قلب میں ایسا متمکن ہو جاتا تھا کہ نقش کالحجر کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی حتیٰ کہ اس مضمون کو پھر دوبارہ سمجھانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ یہی حالت اشغال کی تعلیم میں بھی تھی کہ جہاں کوئی شغل کسی طالب کو تعلیم کیا جاتا تھا تو فوراً جمعیت حاصل ہو جاتی تھی اور واردات شغلیہ مترتب ہونے لگتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ تقریر آپ کی ایسی جامع ہوتی تھی کہ مضمون کے ہر پہلو پر حاوی رہتی تھی۔ کسی قابل اعتراضات بات کو چھوڑتے ہی نہ تھے۔ برابر دفع دخل مقدرات کرتے جاتے تھے لہذا تقریر آپ کی ایسی جامع اور دلنشین ہو جاتی تھی کہ پھر مکرر سوال کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی حضرت

کا قال سامعین کا حال ہو جایا کرتا تھا۔

ارشاد ۱۹:- ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالےٰ جب کسی اپنے بندے پر کمال مہربانی کرتا ہے تو اس کو کسی صوفی صاحب عرفان ورشد و ہدایت کے دامن سے وابستہ کرتا ہے اور اس سے اکتساب فیض کی خواہش اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے دنیاوی رشتہ مندان اور متعلقین سے اپنا دل نہیں لگاتا۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ خاک قدم درویشاں بلکہ خاک راہ ایشاں بن جائے اور تعلقات دنیاوی کو چھوڑے کیونکہ المال والبنون فتنہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

ارشاد ۲۰:- فرمایا کہ ایک مرتبہ زبدالعارفین قدوۃ الواصلین سرحلقہ اولیاء اللہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے سردفتر اولیاء اللہ اسد اللہ الغالب مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا کہ مجھ کو کچھ وصیت کیجئے۔ تاکہ میں اس پر عمل کرتا رہوں آپ نے فرمایا کہ اے حسن مشغولی حق کے بعد اہل وعیال اور متعلقین کی دیکھ بھال کرتے رہو اگر یہ لوگ دوستان خدا سے ہیں تو ان کی دوستی عین خدا کی دوستی سمجھو اور اگر یہ لوگ خدا کی یاد سے تم کو باز رکھیں تو تم بھی ان کو دشمنان خدا سے سمجھو اور ان سے علیحدہ ہو جاؤ۔

ارشاد ۲۱:- ہمارے برادران طریقت میں ایک مولوی صاحب نہایت عابد و زاہد متقی پرہیز گار نفل گذار آدمی تھے بعد ادائے فرائض واجبات کے نفلیں زیادہ پڑھا کرتے تھے اور عبادت ظاہری ہی کو وصول الی اللہ کا باعث سمجھتے تھے اور اپنی عبادت ظاہری پر وہ فخر و مباہات کیا کرتے تھے اور دوسروں کو حقیر اور غیر عابد سمجھتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ نفل نمازیں زیادہ پڑھ کر حضور کے حضور میں حاضر ہوئے اور اپنی عبادت کا گھمنڈ کرتے ہوئے حضرت کی طرف دیکھنے لگے۔

حضرت ان کی طرف مخاطب ہوئے اور اُن کے دلی خطرات سے واقف ہو کر فرمایا کہ نماز و روزہ تو ہر مسلمان پر فرض ہے اگر اُس نے ان کو ادا کیا تو کیا بڑی بات کی اپنا فرض ادا کیا اگر نہ ادا کرے گا تو خطاوار ہوگا۔ خدا کے دربار میں سخت پرسش ہوگی۔ لیکن بعد ادائے فرض اس امر کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ نفس بدکیش جو انسان کا جانی دشمن ہے ہر وقت اس کے پہلو میں رہ کر نیش زنی کیا کرتا ہے ہر شخص کی ترقی کی راہوں کو روکا کرتا ہے اس سے کیونکر رستگاری ہو اور اس کافر بدکیش پر کیسے قابو حاصل ہو جس نے میرے آگے کی راہ بند کر رکھی ہے صرف عبادت ظاہری ہی سے دیدار خداوندی حاصل نہیں ہو سکتا۔ حصول عرفان حق کے لیے اکتساب علم طریقت کی ضرورت ہے۔ بلا کفش برداری اہل اللہ کے حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر صرف عبادت ظاہری ہی سے وصال خداوندی ہو جاتا تو رسول اللہ صلعم تعلیم طریقت نہ فرماتے اور مسجد میں اذکار بالجہر نہ فرماتے اور فقراء اور سالکین اس طرح کے ذکر اذکار میں اپنا وقت صرف نہ کرتے چند رکعتیں نماز نفل کی پڑھ کر اس پر اتنا غرور کرنا اور دوسرے مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اپنے کو عابد سمجھنا نہایت غلطی ہے اور اپنی عبادت کو ضائع کرنا ہے اولیاء اللہ کے مجاہدات کو دیکھو اور اپنی چند رکعت نفلوں کو دیکھو اور مقابلہ کرو کہ ان بزرگان دین نے کیسی کیسی عبادتیں کی ہیں پھر بھی وہ اپنے کو سب سے حقیر اور خطاوار سمجھتے تھے یہ غرور ساری نفلوں کو خاک میں ملا دیتا ہے پہلے اپنے نفس امارہ کو مارو اس کے بعد عبادت میں مشغول ہو جیسا مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اوّل اے جان دفع شر موش کن　　　بعد ازاں در جمع گندم جوش کن

مولوی صاحب موصوف مجلس سے اٹھ کر مجھ سے فرمانے لگے کہ خدا کی قسم حضرت نے میرے دل کی حالت بیان کر دی اور میری ہدایت کر دی ورنہ میں گمراہ ہو گیا تھا۔

کیونکہ میں صرف فرائض و نوافل ہی کو حصول عرفان کی کنجی جانتا تھا اب میرے خیالات بدل گئے اب میں وہی کام کروں گا جس کو حضرت نے فرمایا ہے ۔

ارشاد ۲۲:۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ پکار کر کہے گا کہ اے میرے بندوں میں تم کو یاد کرتا تھا اور تم مجھ کو بھولے ہوئے تھے میں تم کو اپنی طرف بلاتا تھا اور تم بھاگتے تھے۔ میں کہتا تھا کہ جو کچھ تم کو مانگنا ہو مجھ سے مانگو۔ مجھ سے بڑھ کر تم کو کون دینے والا ہے۔ مگر تم دوسروں کے دروازوں پر تلاش رزق کے واسطے مارے مارے پھرتے تھے حالانکہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری روزی کا میں ذمہ دار ہوں لیکن تم میرے کہنے کا یقین نہیں کرتے تھے اور تم میرا دروازہ چھوڑ کر دوسروں کے دروازہ پر جاتے تھے۔ تم لوگ آج کے روز اس کا کیا جواب دو گے ۔ اسی مضمون کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ایکہ تو در رہ دین قرب خدا می طلبی — آبرو از در مخلوق چرا می طلبی
دوش در گوش دلم گفت کہ اے غافل مست — من ترا می طلبم پس تو کرا می طلبی
من ترا از رگ جانت بتو نزدیک ترم — تو مرا در بدر خلق چرا می طلبی
بہ تصور نہ بر در راہ بہ مقصود کسے — در فنا کوش اگر ملک بقا می طلبی
شمس تبریز دریں دائرہ درد دوا — خوش طبیب ست بیا انچہ دوا می طلبی

ارشاد ۲۳:۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ انسان دو جوہر مختلف سے پیدا ہوا ہے ۔ ایک علوی دوسرا سفلی۔ جس طرح جوہر سفلی یعنی جسم میں جو آب و آتش خاک۔ باد سے بنا ہے مرض قبول کرنے کی صلاحیت ہے اسی طرح جوہر علوی یعنی ارواح بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ جس طرح امراض سفلی کے لیے اطبا ہیں کہ ان کے علاج سے مرض دور ہوتا ہے صحت حاصل ہوتی ہے اور ہلاکت سے آدمی بچ جاتا ہے اسی طرح امراض علوی کے لیے اطبائے روحانی ہیں جن کے علاج سے جملہ امراض باطنی اگرچہ وہ محسوس اور مشہود نہیں ہوتے اور عقل میں نہیں آتے مگر سب دفع ہو جاتے ہیں اور ضلالت

وگمراہی کے مرض سے نجات وصحت پاتے ہیں۔ جوہر سفلی کے مریض وعلیل کے طبیب حکماء اور اطباء کہلاتے ہیں اور جوہر علوی کے امراض کے معالج انبیاء اور ان کے بعد اُن کے قائم مقام اولیاء اور مشائخانِ طریقت اور علمائے باللہ ہیں کیوں کہ یہی لوگ انبیاء کے خلیفہ اور ان کے وارث اور جانشین ہیں اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اَلشَّیْخُ فِی الْقَوْمِ کَالنَّبِیِّ مِیْنَ الْاُمَمُ جس طرح کی جوہر سفلی کا مریض بغیر طبیب حاذق ہلاکت کے قریب ہے اسی طرح جوہر علوی کا مریض بھی بغیر طبیب روحی جن کو پیران طریقت کہتے ہیں۔ ہلاکت وگمراہی کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ زمانہ میں جس طرح جوہر سفلی کے اطبا ناپید ہو گئے اسی طرح اطبائے روحانی بھی کمیاب ہو گئے۔ سنو ہم نے پیغمبر یا طریقت کی مثال طبیب سے دی ہے اس لیے کہ جس طرح طبیب نبض دیکھ کر تمام بیماری سے واقف ہو کر نسخہ اور دوائیں مریض کے صحت کے لیے تجویز کرتا ہے کہ بیمار باطن اس کو استعمال کر کے اس سے فائدہ اٹھا سکے کبھی فرائض وسنن ونوافل سے کبھی اوراد وظائف کبھی ذکر وشغل مراقبہ سے ایک معجون مرکب تیار کرتا ہے اور پرہیز میں کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام کر دیتا ہے تاکہ عقیدت کی تشویش خواہشات کے اختلافات اور امراض کی رنگا رنگی شریعت کے ساتھ اعتدال پذیر ہو جائے اور بیمار کو شفائے کامل وصحت عاجل نصیب ہو۔ خطرۂ ہلاکت سے نجات مل جائے۔ تم کو تعجب ہوگا کہ احکام طریقت وشریعت کہاں اور نسخہ ومعجون کہاں ان دونوں میں کیا مناسبت ہے۔ سن لو دونوں میں خاص مناسبت ہے۔ مگر یہ صیغہ راز کی بات ہے جب تک بصیرت حاصل نہیں ہوتی آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ دیکھو اگر جوہر سفلی کا بیمار اپنے طبیب کی مخالفت کرے گا اور اس کے کہنے کے خلاف کھانا پینا چاہے گا تو ضرور مرض بڑھتا جائے گا۔ اور ہلاکت کی نوبت آئے گی اسی طرح جوہر علوی کا مریض اگر پیر کے خلاف، شریعت وطریقت کی مخالفت کرے گا تو یقینی مرض ضلالت ترقی پکڑ جائیگا

اور ضرور جہالت کی موت مرے گا۔ اگر برعکس اس کے وہ پیر کے احکام کی تعمیل کرے گا تو ایسی تندرستی ظاہری وصحت باطنی حاصل ہو جائے گی کہ زندگی تو زندگی ہے اس کا مرنا بھی جینا ہو جائے گا۔ میں تمہیں ایک بہت مستند قول اہلِ طریقت کا سناتا ہوں کہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ مرا نہیں کرتے بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ موت ظاہری کے بعد ان کی عقل کامل ہو جاتی ہے اور روح قوی ہو جاتی ہے اور روحانی دوا کھا کر یہ بالکل صحیح ہو جاتے ہیں اب تو خوب سمجھ میں آگیا ہو گا کہ جس طرح جسم کے طبیب حکماء ہیں اسی طرح کے طبیب اولیاء اللہ ہیں لہٰذا ان روحانی طبیبوں کی طرف رجوع کرو اور اپنے امراض باطنی کا علاج کرو تاکہ معرفت خداوندی سے مشرف ہو اور علائق دنیاوی سے رستگاری پاؤ۔

ارشاد ۲۴:- ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ طالب خدا کو چاہیے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیز کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے اور کسی امر پر معترض نہ ہو بلکہ بجائے دوسرے پر نظر ڈالنے کے اپنے اوپر نگاہ ڈالے تاکہ اپنے افعال کی اصلاح کرتا رہے۔ کیوں کہ ہر چیز کے پیدا کرنے میں پروردگار عالم کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ بدبینی اور خودبینی سے ہمیشہ بچتا رہے۔ کیونکہ یہ بہت بری چیز ہے ایک روز حضرت یوسف علیہ السلام نے آئینہ میں اپنے حسن وجمال کو دیکھا دل میں خیال کیا کہ مجھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی حسین نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کنویں میں ڈالے گئے۔ قید کیے گئے ہزاروں طرح کی مصیبتیں جھیلیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے فروتنی کی اللہ نے اس کو رفعت دی اور جس نے خود بینی کی۔ اللہ نے اس کو ذلیل کیا۔ شیخ سعدی

شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بروئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش دگر آنکہ بر غیر بدبین مباش

اسی مضمون کو خواجہ حافظ شیرازی اس طرح فرماتے اور سمجھاتے ہیں کہ ؎

اندیشۂ خودرائی در عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی و خودرائی

اگر طالب کی نگاہ میں کسی کی بھلائی یا برائی نظر آئے تو اس کو بھی خدا کی طرف سے سمجھے اور دم نہ مارے کیونکہ ؎

ہر نیک و بدی کہ در جہاں میگذرد خود می کند و بہانہ بر عام نہاد

ارشاد:- ۲۵ ایک شخص نے حضرت سے عرض کی کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ صَاحِبُ الْوِرْدِ مَلْعُوْنٌ وَ تَارِكُ الْوِرْدِ مَلْعُوْنٌ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کے حضور میں ایک صحابیؓ نے عرض کی کہ فلاں یہودی بہت زیادہ درود و وظائف پڑھا کرتا ہے آپ نے اس راہب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ صاحب الورد ملعونٌ جب یہ خبر اس راہب کو پہونچی تو اس نے اوراد کو ترک کر دیا لوگوں نے اس کا حال بھی رسول صلعم سے عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا تارک الورد ملعونٌ ۔ غرض کہ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سب اسی راہب کے متعلق تھا۔ مگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عام بھی ہو سکتی ہے اور اس کی تطبیق اس طرح سے کی ہے کہ اگر کوئی شخص بلا عذر دنیا میں مشغول اور مستغرق اور منہمک ہوکر اپنا درود و وظیفہ چھوڑ دے اور اُسی پر مصر ہو تو ایسے ہی تارک الورد کے واسطے کہا جائے گا کہ تارک الورد ملعونٌ اور اگر کوئی شخص صاحب ورد ایسا ہو کہ مسلمانوں کے معاملات اُس کی ذات سے وابستہ ہوں اور حل مہمات اُس پر موقوف ہوں اور وہ درد و وظائف میں اس درجہ مشغول رہے کہ اُس کو ان امور کی طرف توجہ کرنے کی ذرا فرصت نہ ملے مسلمانوں کی مصیبت میں کام نہ آئے اور بے گناہ قتل ہونے والوں کی امداد نہ

کرے انصاف کا خون ہونے دے امتیان محمدیہ کی سود و بہبود کی پرواہ نہ کرے
ہر وقت وظیفہ خوانی ہی کیا کرے وظیفہ خوانی کے مقابلہ میں فرائض وسنن کو بھی
پس پشت ڈالدے تو ایسے وظیفہ پڑھنے والے کو کہا جائے گا کہ صاحب الورد
ملعونؑ۔ اس کے بعد اس نے دریافت کیا کہ جو وظائف جس وقت کے واسطے
مخصوص ہیں اگر ان اوقات معینہ پر کوئی شخص مجبوری سے نہ پڑھ سکے تو دوسرے
وقت پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب فرض نماز کی قضا ادا ہو سکتی ہے
تو کیا وظائف کی قضا دوسرے وقت ادا نہ ہو سکے گی۔

ایک مرتبہ آپ کے حضور میں نظم اور غزلیات واشعار کا ذکر تھا۔

ارشاد:۔ حضرت نے اس وقت صدہا شعر اردو، فارسی اور عربی کے پڑھے
اور اس کے مطالب بیان فرمائے اثنائے گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ ہر شخص اشعار
کے معنی اپنی سمجھ کے موافق سمجھتا ہے چنانچہ ایک روز بابا فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ
یہ شعر بار بار زبان مبارک پر لاتے تھے کہ ؎

نظامی ایں چہ اسرار است کز خاطر بروں داری   کسے سرش نمی داند زباں درکش زباں درکش

آپ صبح سے شام تک برابر شعر کو پڑھتے رہے رمضان شریف کا مہینہ تھا افطار
کے وقت سے سحر تک اسی کو پڑھتے رہے اور ہر مرتبہ جب اس شعر کو پڑھتے تو چہرۂ
انور متغیر ہو جایا کرتا تھا واللہ اعلم۔ آپ اس کے کیا معنی و مطلب سمجھتے تھے اور
اس شعر سے کیا لطف حاصل کرتے تھے کہ اس محویت کے ساتھ تکرار فرماتے تھے
اور کس امر پر اس کو محمول کرتے تھے۔

۲۷   ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ برادرانِ طریقت کو آپس میں

ارشاد:۔ کمال درجہ کا اخلاص و محبت۔ الفت اور ہمدردی رکھنا چاہیئے۔
جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں درمیان صحابہ کرام واسطہ محبت و الفت
اور اتحاد تھا کیونکہ ان میں دو طرح کی رشتہ مندیاں ہیں ایک شریعت کی دوسرے

طریقت کی جس نے ان دونوں میں سے کسی کا لحاظ نہ کیا وہ انسان نہیں ہے دیکھو
حیوانوں میں بھی جنسیت کی محبت ہوتی ہے۔ کبھی ایک جنس کا جانور دوسرے
جنس کے جانور کے ساتھ نہ مل کر بیٹھے گا اور نہ رہے گا جب رہے گا تو اپنی ہی جنس کے ساتھ ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر باکبوتر باز با باز

اخوت کی دو قسمیں ہیں ایک اخوتِ نسبتی۔ دوسرے اخوت دینی۔ ان
دونوں میں سے اخوت دینی کو ترجیح ہے۔ اخوت نسبتی کی صورت بمقتضائے
حالت بدل بھی جاتی ہے۔ مگر اخوت دینی ہر حال میں یکساں رہتی ہے اس وقت
تمثیلاً ارشاد ہوا کہ دو حقیقی بھائی ہیں۔ ایک مومن دوسرا کافر۔ ان دونوں کے
مقام آخرت میں الگ الگ ہوں گے اور دو شخصوں میں جن میں کوئی واسطہ
ہی نہ ہو محض اخوت دینی ہو تو ان دونوں کے مقامات آخرت میں ایک
ہوں گے۔ لہذا اخوت دینی کامل ہے اور اخوت نسبتی ناقص ہے۔ لہذا جملہ
برادرانِ طریقت کو چاہیئے کہ آپس میں اخلاص اور سچی محبت رکھیں۔ ایک
دوسرے کا ہمدرد و کفیل رہے۔

ارشاد ۲۸:- ایک مرتبہ فرمایا کہ انسان کو اللہ والوں سے اس طرح سے
دوستی رکھنا چاہیے جس طرح کی دوستی حضرت ابوبکر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم
نے رسول اللہ صلعم سے کی۔ کہ دین و دنیا کے کسی امر میں اختلاف نہ ہوا لہذا
مناسب ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کا جاں نثار ہو ایک دوسرے
میں فنا ہو جائے۔ تاکہ من و تو کا فرق باقی نہ رہے اور بقول شخصے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کا نقشہ کھنچ جائے تم دونوں آپس میں فنا ہو کر خدا میں فنا ہو جاؤ تاکہ نہ تم رہو

اور نہ وہ۔ بس حق ہی حق رہ جائے ؎

جہدے کن و با مردم دانا بہ نشین | یا با صنم لطیف در عتابہ نشین
ایں ہر دو ترا اگر میسر نہ شود | اوقات مکن ضائع وتنہا بہ نشین

۲۹ ارشاد:۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ بغرض حصول عرفان طالب خدا کے لیے مجرد کسی بزرگ سے مرید ہو جانا ہی کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ پوری پابندی۔ اس کے طریقہ کی نہ کرے اور ریاضت و مجاہدہ عملی میں نہ لاوے کیونکہ مراتب ولایت کے دو ہیں۔ کسبی اور وہبی۔ کسبی یہ ہے کہ محبت و ریاضت سے درجہ ولایت کو پہنچے اور وہبی یہ ہے کہ ولی مادر زاد ہو۔ بلا اکتساب خود بخود درجہ ولایت کا من جانب اللہ حاصل ہو جائے اس کے لیے کسی مرشد کی حاجت نہیں مگر ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست | تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پس دار و مدار ولایت کسبی کا محنت اور ریاضت اور فنائیت پر موقوف ہے۔

۳۰ ارشاد:۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ شریعت کی مثال دودھ کی ہے اور طریقت کی مثال دہی کی اور معرفت کی مثال مکھن کی اور حقیقت کی مثال گھی ہے اس مثال سے ظاہر ہے کہ گھی اور مکھن کی اصل دودھ ہے جس نے دودھ یعنی شریعت کو چھوڑا وہ گھی یعنی معرفت سے بے نصیب رہا۔ پھر اسی مضمون کی ایک دوسری مثال دے کر اس طرح سمجھایا کہ شریعت مثل پوست کے ہے اور طریقت مثل گوشت کے اور معرفت مثل استخوان کے اور حقیقت مثل مغز کے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ بغیر پوست کے گوشت وغیرہ برقرار نہیں رہ سکتے لہٰذا پوست یعنی شریعت کا برقرار رکھنا ہر حال میں لازمی اور ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ شریعت پہلی منزل یا پہلا

زینہ حصولِ عرفان کا ہے۔ جس نے اس زینہ شریعت کو چھوڑ دیا وہ بام مقصود یعنی مرتبہ عرفان تک کسی طرح بھی نہ پہونچے گا۔

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

۳۱ ایک شخص نے تصور شیخ کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا کہ تصوّر **ارشاد:۔** شیخ ہی اصل حصول عرفان خداوندی کی ہے۔ تصور کو جس طرح شیخ تعلیم دے اس کو یہاں تک ترقی دینا چاہیے کہ سوائے صورت اپنے مرشد کے کچھ نظر ہی نہ آوے۔ بابا فرید شکر گنج فرماتے ہیں کہ میں نے زمین میں دیکھا تو قطب صاحب کو آسمان میں دیکھا تو قطب صاحب کو عالم میں جس طرف نگاہ کی تو دیکھا قطب صاحب کو سوائے قطب صاحب کی صورت کو دوسری کوئی صورت نظر ہی نہیں آتی تھی۔ اس معنی میں مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

چوں تو کردی ذات مرشد را قبول   ہم خدا را یافتی وہم رسولؐ

۳۲ ایک مرتبہ حضرت سے میں نے اپنے دل کی گھبراہٹ اور پریشانی **ارشاد:۔** خیال اور عدم جمعیت اشغال کی شکایت کی فرمایا کہ جس قدر مخلوق سے تم اختلاط کم کروگے اور تصور شیخ جس طرح تعلیم کیا گیا ہے زیادہ رکھوگے اسی قدر دل کی گھبراہٹ اور پریشانی کم ہوگی حتیٰ کہ کم ہوتے ہوتے بالکل جاتی رہے گی۔ تم شب آخر میں ضرور اُٹھ کر اپنے کام میں مشغول ہوجایا کرو کیونکہ وہ وقت تخلیہ اور اشغال کی جمعیت کے لیے مخصوص ہے۔

۳۳ ایک شخص نے عرض کی کہ میں نے سنا ہے کہ پیر اپنے کُل **ارشاد:۔** مریدوں کے حالات اور افعال حرکات سکنات کو دیکھتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُس کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا سچ ہے پیر کامل یا

اس کے پیرانِ پیر جس کی قنائیت اپنے پیر کے ساتھ۔ صحیح ہے اُن پر کوئی حال مُرید پوشیدہ نہیں رہتا وہ حاضر و غائب اپنے مُرید کے کُل افعال و احوال کو اپنے نور باطن سے دیکھتا رہتا ہے۔ مگر مرید کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ جب پیر میرے کل کاموں کو دیکھتا ہے تو مجھے بھی کوئی کام پیر کے خلافِ مزاج نہیں کرنا چاہیے مرید کو لازم ہے کہ کبھی کسی حال میں پیر کے طریقہ کے خلاف کوئی کام نہ کرے جس قدر ہو سکے پیر کی اتباع کرتا رہے تو امید ہے کہ پیر یا پیران سلسلہ اس کی امداد فرماتے رہیں گے۔ جیسے کوئی درماندہ مسافر اگر سرِراہ پڑا رہے گا تو کوئی نہ کوئی سالک و رہبر ضرور اس راہ گم کردہ پر رحم کھا کر اس کو اس کی منزلِ مقصود پر پہونچا دے گا اور اگر مسافر راہِ راست چھوڑ کر الگ جا پڑے گا تو دوسرا کیوں ادہر جائے گا کہ اس کو راستہ بتائے گا ایک نہ ایک دن بھٹکتے بھٹکتے ہلاک ہو جائے گا۔ کبھی اپنی منزلِ مقصود پر نہیں پہونچے گا۔ مرید اپنے پیر کے طریقہ پر لگا رہے اور کچھ نہ کچھ برابر چلتا رہے راہ میں تھک کر بیٹھ نہ جائے تو کسی نہ کسی دن پیر کی توجہ اُس پر ہو ہی جائے گی اور اس کو منزلِ مقصود پر پہونچا دے گا سلوک طریقت میں انسان ہرگز غفلت نہ کرے۔ رواں دواں اپنا کام کئے جائے۔ جیسا مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست
انچہ بروے می رسی بروے مائیست

یہ نہ خیال کرے کہ مجھے کچھ فائدہ نظر نہیں آتا۔ زمین و آسمان کے خزانے مجھکو دکھائی نہیں دیتے کیا تم کو نہیں معلوم ہے کہ کام کرنے کے بعد مزدوروں کی مزدوری ملا کرتی ہے۔ اثنائے کام میں مزدور کو مزدوری ملنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے

کام کو مرشد ہی جانتا ہے کہ کب ختم ہوگا اور ختم ہونا کس کا نام ہے اور کب اس کی مزدوری دینا چاہیئے تم کیا جانو کہ کام میرا پورہوا یا نہیں۔ تم کو بلا کام ختم کیے کیسے مزدوری دیدی جائے ؂

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بیخبر نہ بود زراہ ورسم منزلہا

۳۴ ارشاد:- ایک مرتبہ فرمایا کہ حبس دم کے ساتھ ذکر کرنے سے دل پر گرمی پہونچتی ہے اور دل کا میل صاف ہوتا ہے۔ جیسے کیٹ لگا ہو چراغ آگ گرمی سے صاف ہو جاتا ہے اور اس کا میل جل جاتا ہے۔ اگر عبد ہونا چاہتے ہو تو ذکر کرو اگر فنا فی اللہ ہونا چاہتے ہو تو فکر کرو ؂

در فنا کوشش اگر ملک بقا می طلبی

بندہ جب تک اپنے سے گم نہیں ہوتا خدا تک نہیں پہونچتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک حباب ٹوٹتا نہیں دریا نہیں ہو جاتا۔ اذکار میں بہترین ذکر ذکر روح ہے۔ کیونکہ روح مرتی نہیں۔ لہٰذا اس کا ذکر کرنے والا مرنے کے بعد بھی ذکر الٰہی کرتا رہتا ہے۔ زبان کے ذکر سے قلب کو حرارت پہونچتی ہے اور قلب کے ذکر سے روح ذکر کرتی ہے اور ذکر روح کا یہ اثر ہے کہ ذاکر بازار میں بھی جائے تو کسی کی آواز اس کے کان میں نہ آئے اور بازار کی کسی چیز کو نہ دیکھے نہ پہچانے اس قدر ذات میں اس کی محویت رہے کہ سوائے اپنے محبوب کے کچھ نہ دیکھے نہ سنے۔ یہ مقام عاشقوں کا ہے اگر اس مرتبہ طالب تک نہ پہونچے تو ذکر وفکر ہی میں لگا رہے اس کو ہرگز نہ چھوڑے تو کم از کم خدا کے ذاکروں میں اس کا شمار رہے گا۔

۳۵ ارشاد:- ایک مرتبہ فرمایا کہ قبر بڑی ہولناک اور وحشت انگیز جگہ ہے اس سے بڑھ کر خوفناک کوئی چیز نہیں قبر منزل اوّل منازل

آخرت ہے اور منزل آخر منازل دنیا سے ہے۔ پس جس شخص کو قبر میں سختی ہو گی اس پر قیامت میں بھی سختی ہو گی۔ اور جس پر قبر میں آسانی ہو گی اس پر قیامت میں بھی آسانی ہو گی۔ لہٰذا انسان کو شریعت و طریقت کی پابندی اور رضائے معبود میں کوشش کرنا چاہیے تاکہ اس مقام ہول و وحشت میں امن و امان میں رہے اور دین و دنیا میں مسعود محمود رہے۔ خدا کی طرف رجوع کرنا اس کے حضور میں توبہ کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا عفو گنہگاروں کو نافع اور اس کی رحمت عذابوں کی دافع ہے۔ خوشی کے زائل ہو جانے پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے۔ خداوند کریم نے انسان کو اپنی خوشی کے واسطے پیدا کیا لہٰذا اس کو کسی حالت میں ناراض نہ کرو اور اس کے پالے ہوئے اور پرورش کیے ہوئے بندوں کو تکلیف نہ پہونچاؤ خیال تو کرو جس کو وہ پیدا کرتا ہے اور جس کی وہ خاطر داری کرتا ہے اس کو ہر طرح کا آرام پہونچاتا ہے تم اس کو اس کے خلاف تکلیف پہونچانا چاہتے تو وہ کیسے تم سے خوش رہے گا۔ اس بات کو یاد رکھو کہ اگر تم اس کے بندوں کو تکلیف دو گے تو خدا بھی تم کو تکلیف دے گا۔ جو تمہاری دہی سے بہت زیادہ ہو گی۔ اگر تم خدا کے بندوں کو خوش رکھو گے تو خدا بھی تم کو خوش رکھے گا۔ کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ ؎

آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

باب الکرامت

آپ قطب الوقت اور شیخ زماں اور علوم ظاہری و باطنی میں بے نظیر و بے بدل اور کشف واقعہ مریدان میں شانِ عظیم اور کرامت و خرق عادات میں بے عدیل تھے اور ایسی نسبت و حالت قوی رکھتے تھے کہ ہر شخص آپ کے جمال جہان آرا کے مشاہدہ میں مستغرق رہتا تھا ہزاروں طالبانِ حق آپ کی توجہ سے مرتبۂ ولایت کو پہونچے اور خلق کثیر نے آپ کی ہدایت سے راہِ حق کی پائی آپ کے کشف و کرامات کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ آپ کے مریدین اور معتقدین کا سلسلہ بھی الیٰ غیر النہایت ہے ۔ آپ کو اپنے ہر مرید کا حال جہاں وہ رہتا تھا یا جہاں کہیں اُسے مصیبت اور مشکل کا سامنا ہوتا تھا فوراً کشف سے آپ کو معلوم ہو جایا کرتا تھا اور وہیں اسکی امداد فرماتے تھے۔ ایران، توران، عرب، ہندوستان ۔نزدیک ہو یا دور ہر جگہ سے

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست   قبضہ اش جز قبضہ اللہ نیست

آپ سب کی یکساں مدد فرماتے تھے اور فرماتے ہیں جملہ واقعات کا یکجا کرنا ناممکنات سے ہے محض تھوڑے سے واقعات آپ کے کشف و کرامات کے بطور مشتے نمونہ از خروارے ، یکے از صد ہزارے قلمبند کیے جاتے ہیں اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے کہ جہاں آپ کے مرید اور معتقدین اور یاد کرنے والے ہونگے

وہاں اس طرح آپ یاد فرماتے ہوں گے ؎

تلقین و درس اہل نظر یک اشارت است ۔ کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ

کرامت:- ایک مرتبہ مولانا مولوی خلیفہ محمد فایق صاحب مولف کرامات نظامیہ جو حضور تاج الاولیار رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور علامۂ روزگار مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مفتی حیدر آباد کے شاگرد رشید اور صاحب تصنیفات کثیرہ تھے۔ مجھ سے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک مسئلہ فلسفہ کے متعلق مجھے سخت مشکل آپڑی وہ مسئلہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا تھا اور نہ حل ہوتا تھا بار بار خیال کرتا تھا کہ کسی عالم متبحر سے رجوع کروں۔ مگر یہ خیال ہارج ہوتا تھا کہ مجھ سے زیادہ کون فلسفہ جانتا ہے جس سے اس مشکل کو حل کروں۔ ہندوستان بھر میں کوئی عالم میری نظر میں نہ سمایا۔ کیونکہ تمام ہندوستان کے مشاہیر علماء سے مجھ سے واقفیت تھی۔ ہر چند بڑی بڑی کتابیں اس علم کی دیکھ ڈالیں مگر میری تشفی نہ ہوئی۔ اس وجہ سے میرے دل کو سخت اُلجھن تھی۔ اسی حالت میں بریلی شریف حاضر ہوا صبح کا وقت تھا حضرت حویلی کلاں میں تشریف رکھتے تھے۔ میں قدمبوسی ہو کر پائیں میں جا بیٹھا حضرت مجھے مخاطب کرکے بغیر میرے کچھ کہے ہوئے اسی مسئلہ فلسفہ کا حل نہایت وضاحت کے ساتھ خود بخود فرمائے میں نہایت حیرت اور غور سے اس تقریر کو جو میرے حسب حال تھی سنتا رہا اور دل میں حضرت کی متبحر علمی کا اعتراف کرتا رہا کہ اللہ اللہ اس قدر ماہر علوم فلسفہ میں۔ جب تقریر پوری ہو چکی تو میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اکثر علماء کے دل میں اس قسم کے اعتراضات پیدا ہو جایا کرتے ہیں یہ ان کی متبحر علمی کا اقتضا ہے مگر یہ کوئی مشکل مسئلہ

فلسفہ کا نہیں ہے جو حل نہ ہو سکے ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے اور کچھ نہیں خود اس کی عبارت ہی سے اس کا جواب نکل آتا ہے محض فکر اور طبیعت پر زور دیے دینے کی ضرورت ہے۔ میں اُٹھ کر قدم بوس ہوا اور عرض کی کہ اے حضور یہی سوال میرے دل میں ایک سال سے متمکن تھا مگر مجھ سے کسی طرح حل نہ ہو سکا۔ الحمد للہ کہ حضور کو اس کا کشف ہو گیا اور حضور نے نہایت وضاحت اور مختصر الفاظ میں سمجھا دیا اب میری تسکین ہو گئی اور دل کی اُلجھن جاتی رہی حضرت نے فرمایا خیر ہو گا۔

کرامت:۔ اس غلام آستانہ نیازیہ بندہ سراج السالکین کے ساتھ جو شفقت اور عنایت مبذول رہی اور ہے اور انشاء اللہ آئندہ رہے گی اس کی تشریح نہیں ہو سکتی میرے جن جن گاڑھے وقتوں میں آپ کام آئے اور میری دستگیریاں کیں اُس کے لیے ؎

اگر ہر موئے من گردد زبانے
ز تو رانم زہر یک داستانے

میرے ساتھ ایک دو واقعہ نہیں گذرا ہے بلکہ صدہا مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ میں جب جب مشکلات میں پھنسا اور حضرت کی طرف توجہ کی۔ حضرت نے اپنے کشف سے معلوم کر لیا اور اپنی خاص عنایت و کرامات سے میری دستگیری فرمائی اور اس مہلکۂ عظیمہ سے نجات بخشی۔ چنانچہ ان صدہا واقعات میں سے اپنے چند واقعات عرض کرتا ہوں۔

کرامت:۔ جس وقت میں سرکار گورنمنٹ میں بعہدہ امین عدالت ملازم تھا ایک کھیت کی دخل دہانی میں مجھ سے غلطی ہو گئی ڈگریدار نے میری شکایت کی درخواست حاکم تحصیل کے اجلاس میں پیش کی ڈپٹی صاحب نے ڈگری دار کی خاطر داری سے میری موقوفی کی رپورٹ کرکے مجھ پر فوجداری

کا مقدمہ چلانے کے لیے صاحب کلکٹر بہادر سے اجازت مانگی لہذا میں اس واقعہ سے سخت پریشان ہوا اور اپنی نوکری سے بالکل مایوس ہو گیا تو حضرت کے حضور میں مضطربانہ عرضی لکھی حضرت نے کمال شفقت سے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم کو خوب یاد ہو گا کہ جب تم کو کہیں نوکری نہیں ملتی تھی تو میں نے حضور تاج الاولیاء سے تمہاری نوکری کے لیے سفارش کی تھی۔ حضرت کے کرم سے تم نوکر ہو گئے لہذا تم تاج الاولیا کے نوکر رکھائے ہوئے ہو بلکہ انھیں کے نوکر ہو لہذا تم کو کوئی دوسرا حاکم موقوف نہیں کر سکتا تم خاطر جمع رکھو مگر کام غفلت اور لاپرواہی سے نہ کیا کرو۔ حضرت کی اس تحریر سے میں تو مطمئن ہو گیا مگر عمالِ دفتر کلکٹری نے میری جگہ کا سارا انتظام سوچ لیا اور طے کر لیا کہ جس روز پیشی ہو گی اسی روز کلکٹر صاحب خواہ مخواہ ان کو موقوف کر ہی دیں گے۔ لہذا ان کی جگہ پر فلاں شخص مقرر کیا جائے گا۔ چنانچہ امیدواروں سے درخواستیں بھی لے لی گئیں اب وہ وقت آیا کہ میں بغرض جوابدہی صاحب کلکٹر بہادر کے حضور میں پیش ہوا۔ حضرت کی طرف توجہ کر کے خاموش کھڑا ہو گیا۔ کلکٹر صاحب نے مجھ کو سر سے پاؤں تک دو تین مرتبہ دیکھا اس کے بعد مجھ سے کہا کہ سچ بتاؤ کیا واقعہ ہے میں نے کہا سچی بات یہ ہے کہ ابھی ناتجربہ کار ہوں۔ کیونکہ تھوڑے کا نوکر ہوں۔ ابھی مجھ کو پورا تجربہ نہیں ہوا ہے۔ میں اس معاملہ میں دھوکا کھا گیا۔ ورنہ دیدہ و دانستہ اہلکار سرکار ہو کر میں ایسی بیوقوفی کا کام ہرگز نہ کرتا۔ اصل یہ ہے کہ ڈگر یدار نے مجھ کو فریب دیدیا اور میں اپنی غلطی و ناتجربہ کاری سے اس کے فریب میں آ گیا۔ یہ سنتے ہی کلکٹر صاحب نے کہا واقعی تم سچ کہتے ہو میرے نزدیک بھی اس معاملہ میں تمہاری بددیانتی نہیں معلوم ہوتی بلکہ غلطی ہے جاؤ ہم نے معاف کر دیا مگر پھر کبھی ایسی غفلت نہ کرنا سمجھ کر کام کیا کرو کبھی کسی کے دھوکے میں نہ آنا جب میں اجلاس

سے باہر نکلا تو ڈپٹی صاحب اور تمام اہلکار حیران رہ گئے کہ اُمید کے خلاف یہ کیا ہو گیا یہ غلام محض حضرت کے کرم سے بچ گیا ورنہ کوئی اُمید نہ تھی۔

کرامت:- ایک مرتبہ کیا چند مرتبہ ایسا ہوا کہ جب کارِ سرکار میں مجھ سے غلطی ہوئی اور میں نے حضرت کی طرف توجہ کی فوراً امداد غیبی شامل حال ہوئی اور وہ معاملہ بہ حُسن وخوبی رفع دفع ہو گیا اس طرح کی کرامتیں میرے ساتھ دن رات ہوا کرتی تھیں بارہا ایسا ہوا کہ مجھ سے توجہ کی فوراً حضرت کی صورتِ مثالی سامنے آ گئی اور اس مشکل کو حل فرما کر غائب ہو گئے اور میری تشویش جاتی رہی بعد وصال ظاہری اب تک وہی حال ہے۔ الحمد للہ۔

کرامت:- ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہو گیا تین مہینے تک غذا کا ایک لقمہ بھی پیٹ میں نہیں گیا۔ معدہ اس قدر ضعیف ہو گیا تھا کہ کسی قسم کی کوئی غذا قلیل سے قلیل بھی ہضم نہیں ہوتی تھی بوجہ لاغری میں صرف پوست و استخوان ہو کر رہ گیا تھا میں نے یقین کر لیا تھا کہ اس بیماری سے اب میں ہرگز نہیں بچ سکتا ایک روز مجھ پر غشی طاری ہوئی اسی حالت میں حضرت کی قدمبوسی حاصل ہوئی میں نے عرض کی کہ اب میرا وقت اخیر ہے کرم کیجیے کہ خاتمہ بالخیر ہو اور ایمان کامل کے ساتھ دنیا سے جانا ہو۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ قطب گھراؤ نہیں تم اپنی زندگی سے مایوس نہ ہو تم اس بیماری میں نہیں مرو گے۔ ابھی مجھ کو تم سے کچھ کام لینا باقی ہے۔ میں نے گذارش کی کہ حضرت غذا تو بالکل ہضم ہوتی ہی نہیں کیونکر زندگی رہے فرمایا کہ انڈے کھاؤ جب غشی فرو ہوئی اور میں نے انڈا کھانا چاہا میرے لڑکے نے جو ماشاء اللہ عالم فاضل اور سند یافتہ طبیب ہے ممانعت کی اور کہا کہ آپ ہرگز ایسی حالت میں انڈے نہ کھایئے گا۔ گرمی کے دن ہیں انڈا آپ

ہرگز ایسی حالت میں انڈے نہ کھائیے گا۔ گرمی کے دن ہیں انڈا آپ کو نقصان کرے گا
میں نے کہا کہ جو کچھ ہو میں تو ضرور کھاؤں گا۔ چنانچہ میں نے انڈا منگایا اور نیم برشت
کر کے زبردستی کھالیا۔ اس انڈا کھانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بتدریج مجھ کو قوت آنے
لگی اور انڈا ہضم ہونے لگا اور رفتہ رفتہ میں بالکل صحیح و تندرست ہو گیا۔

کرامت:۔ ایک مرتبہ میرا بڑا لڑکا مولوی حکیم ولی الدین سلمہٗ چند ماہ سے سخت بیمار تھا اُس کی زلیست کی کوئی اُمید نہ تھی اُسی دوران
میں عرس شریف کا زمانہ آگیا نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مضمون ہوا نہ لڑکے
کو بیمار چھوڑ کر جا سکتا تھا اور نہ عرس شریف کی حاضری ترک کر سکتا تھا۔
بے اختیار اکثر یہ شعر زبان پر آتا تھا ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

آخر کار تنار شرکت عرس محبت فرزند پر غالب آئی اور میں لڑکے کو سخت بیمار
چھوڑ کر بریلی شریف عرس میں حاضر ہو گیا بریلی پہونچ کر لڑکے کی علالت کا
حال حضرت سے عرض کر دیا حضرت سن کر خاموش ہو رہے کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔
بعد عرس حضرت کا ارادہ اجمیر شریف جانے کا ہوا اور ہمراہیان سرکاری میں
اس غلام کا بھی نام لکھا گیا۔ میں بہت خوش تھا کہ امسال حضرت کی ہمرکابی میں
اجمیر کی حاضری ہو گی۔ ہنوز اجمیر شریف جانے کا وقت نہیں آیا تھا کہ گھر سے تار
آیا کہ ولی الدین طال عمرہٗ کی حالت بہت خراب ہے فوراً آؤ۔ میں نے اس تار کو
حضرت کے حضور میں پیش کر دیا۔ حضرت نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر فرمایا کہ
تم خاطر جمع رکھو ولی الدین اچھا ہو جائے گا مگر مصلحت یہ ہے کہ تم فوراً غازی پور
چلے جاؤ کیونکہ عورتیں گھبراتی ہوں گی اُن کو جا کر تسکین دو میں رونے لگا
اور عرض کی کہ ولی الدین کی طرف سے تو مجھے اطمینان ہو گیا مگر افسوس

اس امر کا ہے کہ میں حضور کے ہمرکاب اجمیر شریف نہ جا سکا یہ سن کر تھوڑی دیر سکوت کر کے حضرت نے فرمایا کہ تم ساتھ اجمیر شریف جا کر ظاہری روضہ و گنبد کی زیارت کرنا چاہتے ہو یا اپنے گھر جا کر خود خواجہ صاحب کی زیارت کرنا چاہتے ہو میں نے دست بدست عرض کی کہ غلام خواجہ صاحب کی قدم بوسی اور زیارت چاہتا ہے۔ فرمایا کہ غازی پور جاؤ میں خواجہ صاحب کے پاس جاؤں گا تو کیا تم میرے ساتھ نہ ہو گے۔ یہ غلام بہ تعمیل حکم سرکار غازی پور آیا۔ حضرت کے کرم سے ولی الدین سلمہٗ تو اچھے ہوئے اور مجھے عین چھٹی تاریخ رجب کو خواجہ میں حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت حضرت کی ہمرکابی میں نصیب ہوئی الحمد للہ علیٰ ذالک۔ خواجہؒ صاحب کے دربار میں جو واقعات میرے ساتھ پیش آئے اور خواجہ صاحب کی جو عنایت و شفقت مجھ پر مبذول ہوئی اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔

کرامت:- میں ایک مرتبہ خانقاہ میں حاضر تھا قریب ایک دو بجے شب کے وقت چند اشخاص ایک مردے کو چارپائی پر لے کر خانقاہ میں لے آئے اور کہا کہ صبح کے وقت اس کو سانپ نے کاٹا تھا۔ بہت جھاڑ پھونک کی گئی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اس وقت ایک شخص نے خانقاہ کا پتہ دیا ہے لہٰذا اس کو لے کر آئے ہیں۔ اس وقت حضرت حویلی میں تشریف رکھتے تھے اطلاع کرائی گئی فوراً باہر تشریف لائے۔ نبض دیکھی ناک کے پاس روئی رکھی ذرا دم نہ تھا نبض بالکل ساقط تھی فرمایا کہ مردے کو کیوں میرے پاس لائے سوائے خدا کے اس کو کوئی زندہ نہیں کر سکتا۔ اس کا باپ ساتھ تھا۔ بہت رویا اور درد سے کہنے لگا کہ میاں صاحب ہم تو بڑی امید لگا کر اور آپ کا بڑا نام سن کر خانقاہ میں آئے تھے اور سمجھتے تھے کہ میاں صاحب اچھا کر دیں گے۔ جب آپ نے بھی صاف انکار کر دیا تو میں اب کہاں جاؤں اور

کیا کروں۔ اس کے ساتھ میں بھی اپنی جان دے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چاہتا تھا کہ اپنا سر پتھر پر پٹک کر جان دے ڈالے۔ حضرت کو اُس کی بیقراری پر رحم آ گیا۔ فرمایا کہ ٹھہر جاؤ گھبراؤ نہیں مجھے ایک ترکیب اور یاد آ گئی ہے میں اُسے کرتا ہوں اگر اس کی حیات ہے اور خدا کو منظور ہے تو خدا اچھا کر دے گا اس کے بعد تھوڑی دیر تک اس نعش کو دیکھا کیے خدا کی شان کہ پانچ منٹ بعد اُس نے انگڑائی لی۔ آپ مسکرا کر حویلی میں تشریف لے گئے اور میر نوشہ علی وغیرہ خادمانِ خانقاہ کو حکم دیا کہ تم لوگ دم کرو انشاءاللہ اب یہ اچھا ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اچھا ہو گیا اور اپنے پاؤں اپنے گھر چلا گیا کسی نے سچ کہا ہے ؎

ہست قدرت اولیا را از الہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ

کرامت:۔ ایک مرتبہ ایک ہندو عورت اپنا چھوٹا بچہ لے کر خانقاہ میں آئی اور حضرت کی مسند کے سامنے لٹا کر رونے لگی کہ میاں صاحب میں آپ کا بڑا نام سن کر بہت دور سے آئی ہوں۔ میرے صرف ایک ہی بچہ ہے یہ بہت بیمار ہے تم اس کو اچھا کر دو حضرت نے فرمایا کہ مائی میں حکیم یا ڈاکٹر نہیں ہوں یہ اگر بیمار ہے تو اس کو شفا خانہ لے جاؤ دوا مفت میں ملے گی اور اگر تعویذ کی ضرورت ہے تو تعویذ دلوائے دیتا ہوں اچھا ہو جائے گا اس عورت نے کہا میاں صاحب میں تعویذ کے واسطے نہیں آئی ہوں میں تو فقط آپ کا نام سن کر آپ کے پاس آئی ہوں میں تعویذ نہیں لوں گی۔ حضرت نے لاکھ فرمایا کہ اس کو اٹھا کر اپنی گود میں تو لے لے کیونکہ پیشاب یا پاخانہ پھر دے گا۔ اُس نے کہا کہ حضرت جی یہ کہیں پیشاب پاخانہ پھرے گا کل سے اس کی ناری

(نبض) نہیں چلتی نہ پاخانہ پیشاب ہوتا ہے۔ حضرت نے اس کو بہت ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی اور یہی کہتی رہی کہ جب تک یہ بچہ اچھا نہ ہوجائے گا میں نہیں جاؤں گی جس طرح ہوسکے اس کو اچھا کردو۔ ایسا ہی ایک لڑکا میرے پڑوسن کا آپ کے پتا نے اچھا کر دیا تھا اُس کی بھی اسی طرح ناری (نبض) بند ہوچکی تھی۔ آپ انھیں کے پتر ہیں۔ آپ بھی اچھا کردیجئے میاں صاحب ہوتے تو میں انھیں سے کہتی۔ آپ اُن کی جگہ پر ہیں آپ سے کہتی ہیں یہ سن کر حضرت کی آنکھیں سُرخ ہوگئیں دیر تک اُسی طفل مُردہ کو دیکھتے رہے۔ یک بیک اُس کو جنبش ہوئی تو حضرت نے اُس عورت کہا کہ اب اس کو مزار پر لے جاکر چبوترے کی خاک اُس کے تمام بدن پر مل دے اچھا ہوجائے گا۔ جب عورت نے بچہ میں حرکت دیکھی تو اُٹھاکر روضہ مبارک پر لائی اور چبوترے کی خاک لے کر اُس بچہ کے تمام جسم پر ملی اُس وقت وہ بچہ رویا عورت نے بچہ کو دودھ پلایا اور گود میں لے کر چلی گئی اور تین روز کے بعد اُسی بچہؔ کو لے کر پھر خانقاہ میں آئی اور بتاشے ساتھ لائی فاتحہ دلواکر اُس نے سب کو تقسیم کیا اور کہا کہ میں اسی بچہ کی قسم کھاکر کہتی ہوں کہ یہ بچہ مر چکا تھا میاں صاحب نے اس کو زندہ کر دیا۔ میرے گھر والے اسے پرواہ کرنے جاتے تھے میں گھبراہٹ اور پریشانی میں اس مردہ بچہ کو اٹھاکر میاں صاحب کے پاس لائی اور یقین کرتی تھی کہ میاں صاحب اُس کو ضرور زندہ کردیں گے۔ ان کے پتا بڑے میاں صاحب نے بھی ایک ہمارے پڑوسن کا اُسی طرح بچہ زندہ کر دیا تھا۔ اُسی طرح ان میاں صاحب نے بھی زندہ کر دیا۔

کرامت:- میری اہلیہ اولیٰ بعارضہ تپ کہنہ سخت علیل تھیں جب وقت اُن کے انتقال کا ہوا تو ایک روز مجھے بلاکر رونے لگیں اور کہا کہ افسوس ہے مجھ کو آپ نے مُرید نہیں کرایا کیا میں بے پیر کی رہوں گی میرے والد کو کہا کہ میاں کا وصال ہو چکا اور تم کو خلافت نہیں ہے میں بریلی شریف پہونچ نہ سکی کیا کروں تم حضرت کو خط لکھو کہ میں اب کیا کروں میرا وقت اخیر ہے میری تمنائے بیعت ظاہر کردو۔ میں نے حضرت کے حضور میں جو کچھ مرحوم نے کہا تھا لکھدیا اور ان کی تمنائے بیعت ظاہر کردی حضرت نے تحریر فرمایا کہ تم جانتے ہو میرے خاندان میں خط کے ذریعہ سے بیعت نہیں لے جاتی۔ میں نے مرحوم کو وہ خط کر سُنا دیا ان کو سخت صدمہ ہوا یہ سُن کر بہت روئیں اور روتے روتے سو گئیں۔ جب صبح کے وقت سو کر اُٹھیں تو ہنس کر کہا کہ تم مجھے بریلی نہیں لے گئے میں آج رات کو خود وہاں گئی تھی حضرت آپ کی ایسی صورت آپ کا ایسا لباس آپ کا ایسا قد و قامت ہے۔ میری استدعا پر حضرت نے اپنی حویلی کلاں میں مجھے بلایا اور میری بیعت لی حویلی کلاں کی ایسی صورت ہے مُرید کرتے وقت مجھ سے یہ پڑھوایا گیا اور فرمایا کہ تم اب مُرید ہو گئیں اب تم غازی پور چلی جاؤ گاڑی کا وقت قریب ہے ورنہ ریل چھوٹ جائے گی۔ مجھے تانگہ منگوا کر اسٹیشن پر روانہ کرادیا اتنے میں میری آنکھ کھل گئی اُس وقت سے میں اب بالکل اچھی ہوں۔ یہ حال سُن کر میں نے ان کو مبارکباد دی کہ واقعی تمہاری بیعت ہو گئی خاطر جمع رکھو۔ میں نے اپنا شجرہ اُن کو پڑھ کر سنایا انھوں نے آنکھوں سے لگایا اُس کے چند ہی روز کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست قبضۂ اش جز قبضۂ اللہ نیست

کرامت:۔ بعد وصال سرکار کے میرے دل میں ایک مرتبہ خیال پیدا ہوا کہ عقائد صوفیہ کے متعلق اب اگر مجھ کو کچھ دریافت کرنا ہو تو کس سے دریافت کروں۔ اور اگر مجھ سے کوئی عقائد کے متعلق سوال کرے تو میں کیا جواب دے سکتا ہوں۔ حضرت حیات ظاہری میں تو یہ ہمیشہ ہوا کرتا تھا کہ جب مجھے کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تھا تو ذریعہ عریضہ یا بالمشافہ دریافت کر لیا کرتا تھا تسکین ہو جاتی تھی اب کیا کروں گا کس سے دریافت کروں گا۔ لہٰذا میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں خود ایک کتاب عقائد کے متعلق لکھوں تاکہ اغیار سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے مگر مجھ کو نہ اتنا علم اور نہ اتنی لیاقت اور نہ اتنی فرصت کہ میں اتنا بڑا مشکل کام بغیر امداد علمائے باطن لکھ سکوں یا سارے مسائل کو یکجا کر سکوں چنانچہ اسی خیال میں عرصہ گذر گیا اور مجھ سے کوئی کام نہ ہو سکا۔ جاڑے کے دن تھے بستر پر لیٹا ہوا اسی خیال میں سو گیا خواب میں حضرت کی قدم بوسی نصیب ہوئی فرمایا کہ تم کوئی کتاب لکھنا چاہتے ہو جو عقائد کے متعلق ہو میں نے عرض کی کہ دل تو یہی چاہتا ہے مگر مجھ میں اتنی لیاقت نہیں نہ اتنی فرصت نہ میرے پاس اسقدر کتابوں کا ذخیرہ کہ میں اس میں سے اخذ مضامین کروں اور اس اہم کام کو انجام دوں۔ ارشاد ہوا کہ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں تم کو دکھا دوں گا میں قدم بوس ہوا اور عرض کی کہ بہت خوب اتنے میں میری آنکھ کھل گئی دن بھر خواب شبینہ سے لطف اندوز ہوتا رہا رات کو نصف شب کے بعد قلم، دوات، کاغذ لے کر حضرت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہا مگر کسی مضمون کی آمد نہ ہوئی اور یہ سوچتے سوچتے صبح ہو گئی نماز صبح پڑھ کر اپنے کاروبار میں مصروف ہو گیا اسی طرح برابر تین رات بعد نصف شب

قلم دوات لے کر بیٹھا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لکھوں اور کیونکر لکھوں لیکن جب چوتھے روز میں بیٹھا تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت فرماتے ہیں اور میں لکھتا جاتا ہوں جس مضمون کی طرف توجہ کرتا ہوں قلب میں دریائے مضامین اُمڈ چلے آتے ہیں۔ چنانچہ چند ہی روز میں ایک مبسوط رسالہ عقائد میں مرتب ہو گیا یہ محض حضرت کی کرامت تھی کہ مجھ ایسے کم لیاقت آدمی سے عقائد نیازیاں ایسی مدلل اور جامع کتاب لکھوا دی۔ روحی فداک۔

کرامت ۹: بفضلہ تعالیٰ اپنے ابتدائی زمانہ غلامی سے جس کو ستاون برس کا زمانہ گذرا کہ حاضر آستانہ بریلی شریف ہوتا ہوں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اپنے جدّ طریقت حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں حاضر نہ ہوا ہوں کسی حالت میں رہوں کیسی ہی خرچ کی تنگی یا بیماری کی تکلیف کیوں نہ ہو مگر میں گرتا پڑتا ہمیشہ ہو جایا ہی کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ بذریعہ ملازمت پیشکاری دورہ سرمائی میں ڈپٹی کلکٹر کے ساتھ میں سفر میں تھا۔ عرس کا زمانہ آ گیا اور رخصت ملنے کی کوئی اُمید نہ تھی کیونکہ ایک قتل کے مقدمہ کی پیشی میرے متعلق تھی میں اُس کی پیشی کر رہا تھا صبح سے شام اور شام سے ۹ بجے رات تک سفر میں اظہارات ہوا کرتے تھے۔ ایسی حالت میں کیونکر میں ڈپٹی صاحب سے کہتا کہ مجھے رخصت دیجئے۔ اگر کہتا بھی تو ہرگز رخصت نہ ملتی میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ ۷ہم برس کے بعد امسال عرس ناغہ ہوا سخت رنج وصدمہ اس کا دل پر تھا یہاں تک کہ چار پانچ تاریخ عرس کی گذر گئی میں بہت بےچین تھا اور حضرت کی طرف لو لگائے کام کر رہا تھا گویا دست بکار اور دل بہ یار تھا اور دل میں کہتا جاتا تھا کہ حضرت مدد فرمایئے کہ امسال بھی عرس ناغہ نہ جائے دل سے تو کہتا تھا اور ہاتھ سے اظہار گواہان لکھ رہا تھا کہ مجھے یک بیک غشی آ گئی

میں کرسی سے نیچے گر کر بالکل بیہوش ہو گیا میری یہ حالت دیکھ کر ڈپٹی صاحب گھبرا گئے اور تھانہ دار کو حکم دیا کہ فوراً پالکی کہار منگوا کر ان کو ان کے گھر غازی پور پہونچا دو چنانچہ فوراً پالکی کہار اور مجھ کو ڈپٹی صاحب نے میرے گھر روانہ کر دیا۔ جب میں راستہ ہی میں تھا کہ مجھ کو ہوش آ گیا اور میں بالکل اچھا تھا کہاروں سے میں نے کہا میرا اصلی گھر ریل سے جانے کا ہے مجھ کو اسٹیشن پہونچا دو میں اپنے گھر چلا جاؤں گا۔ چنانچہ کہاروں نے مجھے اسٹیشن پہونچا دیا تو ریل کا وقت قریب تھا میں فوراً بریلی شریف کا ٹکٹ لے کر روانہ ہو گیا۔ عین چھٹی تاریخ عرس کی تھی ۸ بجے شب کو پہونچ گیا حضرت کے حضور میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ قطب تم خوب آئے مجھے تمہارا انتظار تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے زبردستی بلوا لیا ورنہ میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت کو خوب معلوم ہے کہ جیسے میں حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کہ مجھے سب معلوم ہے۔ مجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں جاؤ جائے تیار ہے فاتحہ دے آؤ اور بلواؤ ۸ تاریخ کو خود فرمایا کہ اب تم فوراً چلے جاؤ۔ دونوں عرس کی شرکت ہو گئی۔ تمہاری عدالت کی غیر حاضری سے کام کا حرج ہو رہا ہے۔ اب زیادہ یہاں رہنے کی تمیز الزام آ جائے گا۔ تم کو اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ کو حضرت نے زبردستی رخصت کر دیا۔ میں غازی پور آیا اور اسٹیشن سے یکہ کیا مجھ کو دورہ کا مقام معلوم ہی تھا میں سیدھا پہونچ گیا۔ ڈپٹی صاحب نے مجھ کو دیکھ کر صرف اتنا کہا کہ تم بالکل اچھے ہو گئے میں نے کہا کہ آپ کی مہربانی سے اچھا ہو گیا مجھے حضرت نے بلا رخصت لئے ہوئے کس طرح بلوایا سچ ہے جو چاہیں خدا سے کرا لیں۔

کرامت: شیخ رحمت اللہ صاحب غازی پور سب انسپکٹر کا بیان

ہے کہ میں ایک مرتبہ ضلع بارہ بنکی میں سب انسپکٹر مہتمم تھانہ تھا ایک اپنے عنایت فرما رئیس کی خاطر سے ایک شخص کو تین جوتے مارے میں جب جب اس کو مارتا تھا وہ ہر مرتبہ الا اللہ کی ضرب لگاتا تھا جب میں نے یہ حالت اس کی دیکھی تو دل میں نادم ہوا کہ کیوں مارا اور اس کو چھوڑ دیا دل میں ٹھان لی کہ یہاں سب کے سامنے معافی چاہنا میرے لیے باعثِ ذلت ہے مگر تھانہ پر پہونچ کر تنہائی میں اس سے معافی مانگوں گا۔ چنانچہ تھانہ پہنچ کر اس کو بلا بھیجا۔ وہ خود تو نہیں آیا۔ مگر اس کا باپ آیا میں نے اس سے معافی مانگی اس نے اپنے لڑکے کی طرف سے معاف کر دیا۔ اس واقعہ کے چند ہی روز کے بعد ایک مقدمہ کی تفتیش کے سلسلہ میں صاحب سپرنڈنٹ پولیس نے مجھ کو تین سال کے لیے تنزل کر دیا۔ میں اس وقت تک کسی کا مرید نہ تھا۔ مگر میری بیوی مولانا شاہ محمد فضل کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے جو حضور تاج الاولیار رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ خاندانِ چشتیہ نیازیہ میں داخل تھیں۔ نہایت خوش عقیدت تھیں ان سے حالات و کمالات خانقاہ نیازیہ کے مجھ کو معلوم ہوتے رہتے تھے۔ میں بغرض بیعت چار مرتبہ حضور سراج السالکین رح میں حاضر بھی ہوا۔ مگر عقیدت ظاہری سامان دیکھ کر طبیعت راست نہیں ہوتی تھی۔ لوٹ آتا تھا۔ پانچویں مرتبہ جب میں حاضرِ خانقاہ ہوا تو خود بخود غلامی کو دل چاہا اور حضرت سے استدعائے بیعت کی حضرت نے جو کچھ میرے دل میں شبہے ہوا کرتے تھے سب کو مفصل بیان کر کے بیعت لینے سے انکار کر دیا کہ میں ان وجوہات سے قابل مرید کرنے کے نہیں ہوں۔ میرے دل کی ساری باتیں کہہ دینے کے بعد اب بھی عقیدت میرا راسخ ہو گیا اور بہ اصرار تمام میں غلامی میں داخل ہو گیا اس کے بعد میں نے عرض کی کہ میرا بلا وجہ تنزل کر دیا ہے۔ دعا فرمائیے کہ پھر

میری ترقی ہو جائے میں نے اسباب تنزلی حضرت سے کچھ بیان نہیں کئے تھے مگر حضرت نے خود فرمایا کہ غلط کہتے ہو۔ بلاوجہ تنزل نہیں کئے گئے تم نے سخت قصور کیا کہ فقیر کو بلاوجہ مارا ہے۔ خیریت گذری کہ تم نے معافی مانگ لی تھی ورنہ موقوف ہی ہو جاتے۔ یہ تنزلی تمہاری اسی فقیر کی بد دعا کے اثر سے ہے۔ میں اس فقیر کے خلاف دعا نہیں کرسکتا الفقراء کنفس واحد ہوا کرتے ہیں۔

کرامت ۱۲:۔ انھیں داروغہ صاحب سے یہ بھی روایت ہے کہ میری اہلیہ کو دو تین برس تک متواتر برسات کے زمانہ میں برساتی دانے بہت نکلا کرتے تھے اور اس سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ کہ بستر پر لیٹنا دشوار ہو جاتا تھا بمشکل تمام رات کو تھوڑی دیر تک پیٹ کے بل لیٹ رہا کرتی تھی۔ مہینوں یہ سلسلہ رہا کرتا تھا میں نے دوا علاج سے تنگ آکر حضرت کے حضور میں اطلاع حال کی حضرت نے صحت کے لیے دعا فرمائی اور کچھ دوائیں لکھدیں کہ ان کو پلاؤ، اس نسخہ میں چند دوائیں ایسی تھیں کہ نہ ان کا کوئی نام جانتا تھا اور نہ کسی عطار کے یہاں ملیں مگر جس روز سرفراز نامہ آیا اسی وقت سے خود بخود بلا کسی دوا کے صحت شروع ہو گئی اور چند روز میں بالکل صحت ہو گئی اس کے بعد سے آج تک پھر اس کی شکایت نہ ہوئی۔

کرامت:۔ داروغہ صاحب موصوف یہ بھی کہتے تھے کہ خود مجھ کو ایک مرتبہ زیادتی پیشاب کی شکایت ہو گئی لاکھ علاج کیا کوئی نفع نہ ہوا بلکہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

نوبت بہ اینجا رسید کہ شب میں ۳۰۔۳۵ مرتبہ اور دن میں ۳۰۔۴۰ مرتبہ پیشاب کی حاجت ہوا کرتی تھی۔ مجبور ہو کر حضرت کے حضور میں عرضی لکھی حضرت نے بجواب عریضہ دعاء صحت فرمائی اور لکھا کہ سات پتی لونٹ کی اور سات پتی کرنوت

کی سایہ میں خشک کر کے سات روز تک صبح کو کھالینا صحت ہو جائے گی۔ حضور کا جس روز یہ سرفراز نامہ آیا اسی روز بلا کسی دوا کے شفا ہو گئی ساری شکائتیں جاتی رہیں دوا پینے کی نوبت ہی نہیں آئی اور آج تک پھر یہ عارضہ مجھے نہیں ہوا۔

کرامت ۱۴:۔ یعقوب علی خاں صاحب بریلوی کا بیان ہے کہ میری گھر والی کو طاعون ہو گیا تھا امید زلیست کی بالکل نہ تھی جب علاج کرنے سے تھک گیا تو حضرت کے حضور میں عرض کی میری استدعا پر حضرت میرے غریب خانہ پر تشریف لائے بیمار کو اپنی نظر سے دیر تک دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ اب یہ اچھی ہو گئی۔

کرامت ۱۵:۔ سید محبوب علی صاحب بریلوی کا بیان ہے کہ میری لڑکی درد شکم کے عارضہ میں تین برس سے مبتلا تھی ہر چند ہر قسم کا علاج ہوا مگر کچھ نفع نہ ہوا ایک روز میری استدعا پر حضرت میرے گھر تشریف لے گئے اور لڑکی سے فرمایا کہ تو نے رات کو کیا خواب دیکھا تھا بیان کر وہ بالکل خواب کو بھول گئی تھی حضرت کے فرمانے پر اسے یاد آیا عرض کی کہ حضرت مولا علی کو خواب میں دیکھا تھا مگر جو انہوں نے ارشاد فرمایا تھا میں اس کو بھول گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ آج شب کو پھر اُن کو خواب میں دیکھے گی۔ جب زیارت ہو تو پوچھنا کہ مجھ کو کیا بیماری ہے اور اس کا کیا علاج ہے چنانچہ حسب فرمودہ حضرت صاحب شب کو مولا علی کی اس کو زیارت ہوئی اُن سے عرض کی کہ یا حضرت مجھے کیا بیماری ہے اور اس کا کیا علاج ہے ارشاد ہوا کہ تیرے پیٹ میں پھوڑا ہے تیرے مرشد اس کو توڑ کر اچھا کر دیں گے۔ دوسرے روز حضرت پھر تشریف لائے اُس نے یہ خواب بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج پھر تجھ کو زیارت ہو گی اُن سے تو عرض کرنا کہ میرے مرشد میں یہ قوت نہیں ہے۔ حضور ہی اس کو اچھا کر دیں جب شب کو زیارت ہوئی تو حضرت مولا علی نے فرمایا کہ تیرے مرشد میں

یہ قوت ہے کہ اگر پہاڑ کو چاہیں تو توڑ ڈالیں۔ تیسرے روز جب حضرت تشریف لائے اور یہ خواب بیان کیا گیا تو حضرت نے فرمایا نہیں ؛ نہیں !! مجھ میں ہرگز کوئی قوت نہیں ہے۔ وہی جو چاہیں گے کریں گے یہ بات ہی ہو رہی تھی کہ وہ تھوڑا ٹکم کے اندر خود بخود ٹوٹ گیا بہت زیادہ مواد نکلا اور لڑکی بالکل اچھی ہو گئی۔

کرامت ۱۶ :- سید اصغر علی صاحب ساکن گوالیار سے روایت ہے کہ رمضان شریف کا دن تھا رات کو بارہ ایک بجے کے قریب ایک عورت مار گزیدہ کو چند آدمی لے کر خانقاہ میں آئے حضرت کو حویلی میں اطلاع کرائی گئی حضرت باہر تشریف لائے اور کچھ پڑھ کر اس عورت پر دم کیا وہ عورت فوراً اچھی ہو گئی اور اپنے پاؤں گھر چلی گئی جب صبح کو حضرت حویلی سے باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ جب اس عورت کو میں نے دیکھا تو جو ترکیب سانپ کے کاٹے ہوئے پر کی جاتی ہے اور جو کچھ پڑھا جاتا ہے میں اس کو بھول گیا اور ہر چند یاد کرتا تھا مگر کچھ یاد نہ آیا لہذا میں نے صرف اللہ اللہ پڑھ کر اس پر دم کر دیا۔ اللہ نے اس کو اچھا کر دیا۔

کرامت ۱۷ :- سید یعقوب علی صاحب کا بیان ہے کہ میری بھانجی کو خدا جانے کیا ایسی بیماری ہو گئی کہ دفعتاً بالکل بیہوش ہو گئی کسی سے اپنا حال بیان نہ کر سکی۔ حکیم امداد حسین، ڈاکٹر فصاحت اللہ بریلوی آئے مگر کسی کے سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا مرض ہے۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ نبض کی حرکت بھی بند ہو گئی اور حالتِ مرگ طاری ہو گئی۔ حضرت کے حضور میں حاضر ہو کر میں نے سارا واقعہ بیان کیا حضرت غریب خانہ پر تشریف لائے اور دیر تک اس کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کو آواز دو۔ چنانچہ آواز دی گئی۔ اس کو فوراً ہوش آ گیا۔ ڈاکٹروں حکیموں کو تعجب ہوا کہ نہ کوئی علاج کیا نہ کوئی تدبیر کی اس کو ہوش کیسے ہو گیا لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اس کو کیا بیماری تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں لوگ جانو

میں کوئی طبیب ہوں یا ڈاکٹر۔ میرے نزدیک سکتہ تھا۔ یہ کہتے ہوئے آپ خانقاہ کو تشریف لے گئے اور وہ لڑکی بالکل اچھی ہوگئی۔

کرامت ۱۸:- ایک شخص ہندو تھا حضرت کے کرم سے وہ مسلمان ہوکر مرید ہوگیا۔ عبدالرحمٰن اس کا نام رکھا گیا وہ خانقاہ میں رہنے لگا۔ عرصہ کے بعد وہ سخت بیمار ہوا حتیٰ کہ نبض اس کی ساقط ہوگئی۔ جب اس کی حالت ردی ہوگئی حضرت تشریف لائے اور اس کے سرہانے مونڈھے پر بیٹھ گئے اس کی خدمت اور حالت کا خیال فرما کر اس کو دیر تک دیکھا کیے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ اب یہ اچھا ہوگیا تو اس کی نبض ساقط ہوچکی تھی یا نہایت تیزی سے نبض چلنے لگی حضرت اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اپنا کام کردیا اب اس کو صحت ہوجائے گی۔ چنانچہ وہ بالکل صحیح وتندرست ہوگیا اور عرصہ تک خدمت خانقاہ کرتا رہا۔

کرامت ۱۹:- سید فراست علی صاحب خادم خانقاہ کا بیان ہے کہ حضور تاج الاولیاء قدس سرہٗ شیخ عزیز بخش رئیس میرٹھ کی شادی میں تشریف لے گئے تھے۔ ایک روز حضرت سراج السالکین نے فرمایا کہ سید صاحب تمہارا مکان یہاں سے کتنی دور ہے۔ اگر قریب ہو تو فوراً چلے جاؤ۔ میں نے عرض کی کہ حضرت خیریت تو ہے۔ بلا استدعا میرے کیوں ایسا ارشاد ہوا۔ فرمایا کہ کوئی بات نہیں ہے۔ جی میں آیا کہہ دیا۔ اگر یہاں سے تمہارا مکان قریب ہو تو تم چلے جاتے دو چار گھنٹہ میں گھر پہونچ جاتے میں نے عرض کی کہ حضرت میرا مکان یہاں سے ۲۵۔۳۰ کوس ہے ایک روز میں وہاں نہیں پہنچ سکتا کہ خیر جانے دو۔ اس واقعہ کے تین روز کے بعد مکان سے خط آیا کہ فلاں روز تمہارے لڑکے کا انتقال ہوگیا میں نے مطابقت کی تو جس روز جس وقت مجھ کو مکان جانے کو حضرت نے کہا تھا اُسی وقت اسی روز میرے لڑکے کا انتقال ہوچکا گویا آپ کو کشف سے

معلوم ہو گیا تھا اور مجھ کو گھر روانہ کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ مکان پہنچ کر تجہیز و تکفین میں شرکت کروں۔ مگر چونکہ میرا مکان دور تھا لہٰذا سکوت فرمایا۔

کرامت:۔ مصر علی صاحب بدخشانی کا بیان ہے کہ میں پہلی مرتبہ جب حاضر خانقاہ ہوا تو حضرت تنھے میاں صاحب قبلہ نے شہر سے باہر دریا کے کنارے فالیز بلوئی تھی۔ اس کی نگرانی اور حفاظت کے لیے مجھ کو حکم ہوا کہ کھیت پر شبانہ روز رہ کر نگرانی کرو چنانچہ میں دن میں دوپہر کے بعد کھیت پر جاتا تھا رات بھر وہاں رہتا تھا اور پھر دوپہر کو حاضر خانقاہ سے کھیت پر جانے میں دیر ہو گئی اور رات ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا۔ اندھیری رات ہے تم کو رات کے وقت تنہا جانے میں ڈر تو نہیں لگے گا میں نے عرض کیا کہ میں حضرت کی عنایت سے کسی سے بھی نہیں ڈرتا میں حضرت سے رخصت ہو کر رات کو فالیز کے کھیت کی جانب روانہ ہوا۔ جب میں شہر سے باہر نکل گیا تو حضرت کو دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے ساتھ ساتھ جا رہے ہیں جب میرے قریب ہو جاتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میں کچھ آپ سے باتیں کروں تو پھر دور ہو جاتے ہیں اسی طرح ریل کے پل سے اس پار دریا کے کنارے پہونچے تو پھر حضرت کو نہ دیکھا۔ جب میں کھیت کے قریب پہونچ گیا تو پھر دیکھا کہ حضرت راستہ میں کھڑے ہیں دوڑا کہ حضرت سے قدم بوس ہو کر دریافت کروں کہ حضرت نے یہاں کیوں تکلیف کی جب میں قریب پہونچا تو پھر غائب ہو گئے یہی سب کرشمے دیکھتے ہوئے میں فالیز پر پہونچ گیا اور اسی فکر میں تمام رات میں جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میرے قریب سے جا رہے ہیں اور ایسی خوشبو آ رہی ہے کہ دماغ معطر ہوا جاتا ہے۔ پھر دیکھا کہ حضرت فالیز کے کھیت میں کھڑے ہیں میں دوڑ کر حضرت کے پاس گیا تو غائب ہو گئے تمام رات یہی سب تماشے دیکھتا رہا صبح کو جب خانقاہ آیا تو خانقاہیوں نے کہا کہ تم کو

رات حضرت بہت یاد فرماتے تھے۔ میں نے یہ حال سب خانقاہیوں سے بیان کیا حضرت نے بھی اس واقعہ کو سنا ہنس کر خاموش ہو گئے۔

کرامت:- ۲۱ خلیفہ حاجت خاں بلخی فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ ایران میں تھا۔ وہاں سے کربلائے معلیٰ کی زیارت کو گیا جب وہاں پہونچا تو محرم کی ہنگامہ تاریخ تھی میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھا تھا ایک قزاق نے میرے مار ڈالنے کو بندوق تانی قریب تھا کہ فیر کر دیتا جب مجھے یقین کامل ہو گیا کہ یہ مجھے مار ہی ڈالے گا تو میں بھی توبہ و استغفار اور کلمہ وغیرہ پڑھ کر مرنے کے لیے مستعد ہو گیا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور سراج السالکین تشریف لائے اور بندوق کے منھ کو اپنے ہاتھ سے بند کر دیا ہر چند وہ چلانا چاہتا تھا مگر بندوق آواز نہیں دیتی تھی۔ اس نے مکرر سہ کرر لبلبی دبائی مگر بندوق نہ چلی جب اس نے یہ حالت دیکھی تو بندوق کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور میرے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا اور کہا کہ آپ کون بزرگ ہیں میں نے کہا کہ میں ایک فقیر ہوں مجھے قسم دی کہ صاف صاف اپنا پتہ بتایئے میں نے کہا کہ میں ایک پیر کا غلام ہوں جو شہر بانس بریلی ملک ہندوستان میں رہتے ہیں یہ سنکر وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور نہایت توقیر کے ساتھ میری دعوت کی اور کچھ روپئے بھی میرے نذر کئے اور اپنا قصور معاف کرایا۔

کرامت:- انھیں بلخی صاحب کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ملک شام سے مدینہ منورہ جا رہا تھا میرے پاس کھانے کے لیے کچھ روٹیاں تھیں ایک بدوی نے مجھے تنہا پا کر میری روٹیاں مجھ سے چھین لیں اور میں تین شبانہ روز بھوکا رہ گیا میں نہایت پریشانی میں تھا اور بھوک سے جاں بلب ہو گیا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضور سراج السالکین تشریف لائے اور تین روٹیاں گرما گرم مجھ کو دیں اور غائب ہو گئے۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر اس کھایا اور مدینہ منورہ کا بقیہ سفر طے کیا یہاں تک کہ زیارت سے مشرف ہوا۔

کرامت ۲۳:- انھیں بلخی صاحب کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حج و زیارت بیت اللہ کے لیے جا رہا تھا کہ راستہ میں قطاع الطریق یعنی ڈاکوؤں سے سامنا ہو گیا میرے پاس نقد روپیہ پیسہ تو کچھ نہ تھا بدن پر صرف کپڑے تھے ڈاکوؤں نے اس کو اتار لیا اور مجھے برہنہ کر دیا اب میں سخت پریشان ہوا کہ اپنے وطن کو واپس ہو سکتا ہوں اور نہ بیت اللہ شریف جا سکتا ہوں۔ کیا کروں بھوک پیاس سے الگ جاں بلب ہو رہا تھا۔ دل میں اپنے پیر و مرشد حضور سراج السالکین کا خیال آیا میں نے عرض کی کہ یا حضرت سخت ناچار ہوں میری مدد فرمایئے۔ اسی خیال میں سو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں خدا ہر جگہ ہے ذرا خوف نہ کرو۔ میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ چل۔ میری آنکھ کھل گئی تو میں نے اپنے کو بیت اللہ کے اندر پایا اسی وقت سجدۂ شکر بجا لایا۔

کرامت ۲۴:- انھیں بلخی صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ شاہ مردان سے بخارا جا رہا تھا۔ میں راستے میں ایک ایسے مقام پر پہونچا آدم یا آدم زاد کا کہیں نام بھی نہ تھا اور پیاس سے میں جاں بلب تھا نوبت ہلاکت کی پہونچ گئی تھی۔ اسی حالت میں جس نے دیکھا کہ ایک سوار سفید گھوڑے پر آ رہا ہے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہمارے پیر و مرشد حضرت سراج السالکین ہیں میں نے قدم بوس ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت نے دو عدد انار شیریں اور شاداب مجھے عنایت فرمایا اور میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے ان اناروں کو کھا کر بقیہ سفر بخوشی طے کیا۔

کرامت ۲۵:- انھیں بلخی صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ پشاور کے بازار میں چلا جا رہا تھا۔ مجھ کو ایک طوائف نے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ مہربانی کر کے میری یہ ایک چیز میرے مکان تک پہونچا دو میں نے اس سے اس کی وہ چیز لے کر اس کے مکان پر پہونچا دیا جب میں اس کے

مکان سے واپس آنے لگا تو اس نے مکان کا دروازہ بند کر دیا اور مجھ سے فعل حرام کی خواہش ظاہر کی۔ شیطان نے مجھے بہکایا۔ میں بھی مستعد ہو گیا۔ اس وقت ناگاہ اپنے پیر و مرشد حضرت سراج السالکین رح کو دیکھا کہ اس مکان میں تشریف لائے اور فرمایا کہ خبیث میں موجود ہوں میرے سامنے یہ حرکت کرنا چاہتا ہے خبردار۔ میں وہاں سے بھاگا اور بوجہ حضرت کی عنایت کے میں گناہ کبیرہ سے محفوظ رہا۔

کرامت:۔ حضرت سراج السالکین کے کشف قلوب کی یہ حالت تھی کہ لوگ خیالات فاسد اپنے دل میں لاتے ہوئے ڈرتے تھے کہ حضرت کو معلوم ہو جائے گا تو بڑی خفت ہو گی۔ اسی وجہ سے لوگ اپنی اپنی نیتوں کو درست کر کے حاضر خدمت ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک روز صبح کے وقت عرس کا زمانہ تھا۔ آپ حویلی سے خانقاہ تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں غلامانِ طریقت میں سے ایک صاحب حضرت کو دیکھ کر روپوش ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ فلاں گوشہ میں کون شخص ہے۔ اس کو بلا لاؤ۔ وہ بیچارہ کانپتا ہوا حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کو خود سلام کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم راستہ میں چلے جا رہے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رض صحابی سے ملاقات ہو گئی حضرت ابوہریرہ رض نے چاہا کہ رسول اللہ سے چھپ کر میں نکل جاؤں۔ مگر رسول اللہ نے سلام میں خود سبقت فرمائی اور مصافحہ کیا اور ان سے سبب چھپنے کا پوچھا۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ مجھے حاجت غسل کی ہے لہٰذا میں اس وقت نجس اور ناپاک ہوں اور حضور کا دستِ مبارک طاہر ہے لہٰذا میں نے چاہا کہ آپ سے ایسی حالت میں مصافحہ نہ کروں۔ جب غسل کر کے آؤں گا تو سلام و مصافحہ کروں گا رسول اللہ نے فرمایا کہ مومن نجس نہیں ہوتا۔ یہ نجاست حکمی ہے صرف نہانا فرض ہے۔ جلد نہا لینا چاہئے۔ مگر

سلام اور مصافحہ ایسی حالت میں جائز ہے۔ حضرت کی یہ تقریر سن کر وہ صاحب فوراً قدم بوس ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حضرت بجنسہٖ یہی حالت اس غلام کی اس وقت ہے۔ واقعیٔ اسی لیے میں روپوش ہو گیا تھا کہ غسل کر کے حاضرِ خدمت ہوں گا۔ مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف فرمائیے حضرت نے فرمایا کہ یہ کوئی خطا نہیں ہے صرف مسئلہ بتا دینا مقصود تھا۔ بتا دیا۔ اب جاؤ نہا آؤ۔

کرامت:۔ ایک سال عرس کا زمانہ تھا میں حضرت کے حضور میں بیٹھا ہوا پنکھا کھینچ رہا تھا میرے چند برادرانِ طریقت بغرض شرکتِ عرس سفر دور دراز سے حاضر ہوئے اور قدم بوس ہو کر لبِ فرش بیٹھ گئے ان میں سے چند لوگوں نے کچھ نذر پیش نہیں کی اور دو چار آدمیوں نے صرف ایک ایک روپیہ نذر کا پیش کیا میں نے یہ دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ اس قدر دور دراز فاصلہ سے بہت زیادہ روپیہ کرایہ ریل میں صرف کر کے بغرض شرکت عرس یہاں آئے ہیں مگر حضرت کے حضور میں کچھ نذر پیش نہیں کی اور کچھ لوگوں نے نذر کی بھی تو صرف ایک ایک روپیہ یہ دس پندرہ روز خانقاہ میں رہیں گے دونوں وقت قورمے کھائیں گے۔ خانقاہ کا یہ حال ہے کہ یہاں توکل محض ہے۔ عرس کے زمانہ میں سینکڑوں روپیہ روزانہ کا خرچ ہے اور فتوحات کا یہ حال ہے خرچ خانقاہ کیسے چلتا ہوگا۔ میں پنکھا بھی کھینچتا جاتا تھا اور دل میں سوچتا بھی جاتا تھا میں اس غور و فکر میں تھا کہ حضرت نے مجھ کو تیز نگاہ سے دیکھا اور اشارے سے اپنے پاس بلایا میں پنکھا چھوڑ کر مسند شریف کے پاس حاضر ہوا حضرت نے آہستہ سے فرمایا کہ تم کو تعجب کس بات کا ہے خانقاہ کا جس قدر خرچ ہے وہ میرے ذمہ نہیں ہے مزار شریف کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ یہ جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں کسی کی نذر سے خانقاہ کا خرچ چلتا۔ میاں جس کا خدا کفیل اور ضامن ہو اس کو کسی کی نذر کی کیا

پرواہ ہے۔ میں اپنے دل میں بہت شرمندہ اور نادام ہوا کہ کیوں ایسا خیال میرے دل میں آیا اسی وقت میں نے توبہ کی اور اپنی خطا کی معافی چاہی اور اپنی جگہ پر جاکر پنکھا کھینچنے میں مصروف ہوگیا۔ سچ ہے ؎

خدا خود میر ساماں است ارباب توکل را

کرامت:۔ والئ ریاست دیر ملک افغانستان بعارضہ جذام مبتلا ہوئے۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ پشاور۔ لاہور کے ڈاکٹروں سے علاج کرکے تھک گئے کچھ نفع نہ ہوا۔ لندن۔ پیرس۔ بغرض علاج گئے وہاں بھی کچھ فائدہ نہ ہوا غرض کہ لاکھوں روپیہ خرچ کرڈالا مگر نفع نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ چونکہ ملک افغانستان میں ہمارے خاندان نیازیہ کی نہایت شہرت ہے۔ کیونکہ بہت زیادہ خلفار حضور قبلہ تاج الاولیار سراج السالکین رح کے صاحب رشد و ہدایت اور صاحب کشف و کرامات وہاں تشریف رکھتے تھے اور اب بھی موجود ہیں اُن سے والئ ملک نے تعریف بریلی شریف اور حضور سراج السالکین رح کی سنی تھی۔ جب تمام کے علاج سے مجبور ہوئے تو خیال ہوا کہ بریلی شریف چلیں اور حضرت سے دعار کرائیں۔ چنانچہ مختصر سامان کے ساتھ حاضر خانقاہ ہوئے انجینئر و الامکان اُن کے لیے خالی کردیا گیا۔ اُس میں نواب صاحب نے قیام کیا اور حضور سراج السالکین رح میں حاضر ہوکر قدم بوس ہوئے اور بہت کچھ نقد پیش کیا۔ مگر حضرت نے لینے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ میرے یہاں غیر مرید سے نذر لینے کا دستور نہیں ہے معاف کیجئے۔ مگر مقصود تشریف آوری کیا ہے اس کو فرمائیے۔ نواب صاحب نے اپنی بیماری کی کیفیت اور اس کے علاج کی نوعیت بیان کی اور شفار مرض کے لیے دُعا چاہی۔ حضرت نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور اپنے کشف سے معلوم کرکے فرمایا کہ آپ نے فلاں موقع پر چند سادات بنی فاطمہ صحیح النسب کو اغراض دنیاوی کی وجہ سے شہید کرڈالا ہے اور ان کے متعلقین

کو سخت تکلیفیں دی ہیں اگرچہ اُن سادات نے بد دعا نہیں کی مگر خداوند کریم نے اس کی پاداشں میں آپ کو اس مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔ سوائے خدا کے کوئی دوسرا اس کو اچھا نہیں کر سکتا یہ سن کر وہ حضرت کے پاؤں پر گر پڑے اور فرمایا کہ یہ راز سوائے میرے یا خدا کے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ اس وقت حضور کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا۔ اب فرمایئے میں کیا کروں یہ خطا مجھ سے ضرور ہوئی اس کی تلافی کیوں کر کروں حضرت نے فرمایا کہ اس کی تلافی یوں ہو سکتی ہے کہ آپ اُن کے ورثاء کو جس طرح ممکن ہو راضی کریں اور انھیں سے اپنی خطا معاف کرائیں شاید خدا کو رحم آجائے اور آپ کا مرض جاتا رہے۔ چنانچہ نواب صاحب اپنے مکان کو واپس گئے معلوم نہیں مکان پر جا کر کیا کیا۔

کرامت ۲۹:- خلیفہ مولوی عبدالشکور صاحب الہ آبادی نے فرمایا کہ میری استدعا پر حضور سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں انشاء اللہ تعالےٰ ۱۵ ربیع الثانی کو الہ آباد آؤں گا۔ لہذا میں سامان اور اہتمام میں تھا کہ حضرت صاحب تاریخ معینہ پر تشریف لائیں گے اس کی اطلاع تمام مریدین اور معتقدین سے بھی کر دی گئی تھی۔ ہر شخص منتظر تشریف آوری اور قدم بوسی کا تھا اور دن شماری کر رہا تھا کہ دفعتاً ۲ ربیع الاول کو اطلاع ملی کہ حضرت نے اس عالم سے پردہ کر لیا۔ اس حادثہ جانکاہ سے جو صدمہ قلب کو ہوا اس کی شرح نہیں ہو سکتی ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال گذرا کہ حضرت نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں ۱۵ ربیع الثانی کو الہ آباد آؤں گا۔ یہاں حضرت کی تشریف آوری کے جس قدر سامان ہو رہے تھے سب بیکار ہو گئے۔ جب ۱۵ ربیع الثانی آئی تو دل میں یہ خیال ہوا کہ یہی تاریخ حضرت کے تشریف آوری کی مقرر ہو چکی تھی۔ لہذا آج چائے پر حضرت کی فاتحہ ہونی چاہیئے تھوڑا سا دن باقی تھا چائے تیار کی جا رہی تھی اور میں کھڑا ہو کر پکوا رہا تھا۔

یک بیک بچشم سر دیکھا کہ جہاں چائے پک رہی تھی وہیں حضرت تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ میں نے تم سے وعدہ کر لیا تھا کہ ۱۵ ربیع الثانی کو الہ آباد آؤں گا مگر قبل پورا کرنے وعدہ کے دربار خداوندی سے میری طلبی کا حکم آگیا میں چلا گیا مگر تم یہ سوچتے ہو کہ حضرت وعدہ خلافی کی چونکہ میں نے تم سے وعدہ کر لیا تھا اُس کا ایفا کرنا ضروری تھا کیونکہ ہم لوگوں کا وعدہ غلط نہیں ہوا کرتا لہذا حسب وعدہ اپنے میں آج ۱۵ ربیع الثانی کو الہ آباد پہونچ گیا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ حضرت نے وعدہ کرکے پورا نہیں کیا۔ یہ کہہ کر حضور نظروں سے غائب ہوگئے۔ یہ واقعہ نہ تو خواب کا ہے نہ بیہوشی کا بلکہ عصر کے وقت کا ہے۔ جب خود کھڑا ہوکر چائے پکوا رہا تھا۔ یہ واقعہ میں نے حالتِ بیداری میں دیکھا اور حضرت سے بالمشافہ گفتگو کی۔ میں نے اسی وقت چار فاتحہ دیکر تقسیم کردی اور حاضرین جلسہ سے اس کو بیان بھی کردیا واقعی بہت صحیح قول ہے کہ ان اولیاء اللہ لا یموتون ان کے لیے حیات و ممات دونوں برابر ہے۔

کرامت نمبر ۳۰:- خلیفہ مولوی عبدالرؤف صاحب الہ آبادی کا بیان ہے کہ ۱۹۲۳ء میں جب میں سہارنپور میں تھا تو حضرت کو وہاں شکار کے لیے تکلیف دی اور جنگل شیخ والا میں شکار ہو رہا تھا میں بھی ہمرکاب تھا کہ بحالت شکار حضرت کے سینہ مبارک میں سخت درد شروع ہوا ہم لوگ گھبرائے اور پریشان ہوئے کہ اس جنگل میں نہ کوئی دوا مل سکتی ہے نہ کسی حکیم یا ڈاکٹر کا انتظام ہو سکتا ہے کیا تدبیر کریں ہم لوگ ہمراہی اس پریشانی میں تھے اور حضرت کا درد برابر بڑھتا جارہا تھا۔ آخر کار مجبور ہوکر میں نے حضرت سے عرض کی کہ اس جنگل میں کوئی دوا تو ملتی نہیں لہذا آپ اپنی قوت باطنی سے اس کو دفع کیجیے۔ یا اس وقت تک کے لیے ملتوی کیجیے کہ ہم لوگ خانقاہ میں پہونچ جائیں۔ حضرت نے تھوڑی دیر سکوت فرما کر ارشاد کیا کہ ازالہ مرض بلا دوا کے

خدا کو منظور نہیں ہے مگر خانقاہ میں پہونچنے تک ملتوی ہو سکتا ہے چنانچہ فوراً درد کم ہو گیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا درد ہوا ہی نہیں تھا۔ حضرت نے فوراً کوچ کا حکم دیا ہم لوگ سہارنپور آئے اور وہاں سے بریلی شریف کو روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن بریلی سے اتر کر جیوں ہی خانقاہ کے اندر قدم رکھا ہنوز اسباب بھی گاڑی سے نہیں اترا تھا کہ حضرت کو درد شروع ہو گیا چند روز تک درد کی تکلیف رہی پھر علاج وغیرہ سے دفع ہو گیا۔

کرامت ۳۱:۔ خلیفہ مولوی عبدالرؤف صاحب سے بھی یہی روایت ہے کہ جب ضلع بلیا میں تھا تو وہاں ایک مرتبہ مجھے بواسیر کی سخت تکلیف ہوئی رات دن میں بےچین رہتا تھا اور نہایت شدت کا درد تھا کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا۔ چند روز اسی حالت میں گذر گئے اور کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوا ایک روز تھوڑی دیر کے لیے سکون ہو گیا اور آنکھ لگ گئی خواب میں حضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کو بواسیر کی وجہ سے اگر تکلیف ہے تو حقہ پیو اچھے ہو جاؤ گے۔ حضرت یہ فرما کر تشریف لے گئے اور میری آنکھ کھل گئی تو فوراً حقہ بھروایا اور پینا شروع کیا حقہ پیتے ہی ساری تکلیفیں رفع ہو گئیں اور میں اچھا خاصہ ہو گیا اور کسی قسم کی شکایت باقی نہ رہی۔

کرامت ۳۲:۔ خلیفہ مولوی عبدالرؤف صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ جب میں بلیا میں تھا تو حضرت نے مجھے ایک شغل کی تعلیم فرمائی تھی میں اس کو کرتا تھا اس کے بعد میں نے چاہا کہ بریلی شریف حاضر ہو کر اس کی صحت کر لوں مگر فرصت نہ ہوئی اور بریلی حاضر نہ ہو سکا لیکن دل میں خیال تھا کہ اس شغل کی صحت ہو جاتی تو بہتر تھا میں اسی خیال میں دن کو چار بجے اپنی چارپائی پر تنہا بیٹھا ہوا کچھ خانگی حساب لکھ رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت دروازہ سے اندر مکان کے چلے آتے ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوا اور میری حیرت

کی کوئی انتہا نہ رہی کہ کہاں بلیا اور کہاں بریلی شریف پانچ سو کوس کا فاصلہ دور دراز حضرت بلا اطلاع آج کیسے آ گئے ریل کا وقت بھی نہیں ہے میں تعظیماً اُٹھ کھڑا ہو گیا ہنوز قدمبوس ہونا چاہتا تھا کہ حضرت میری چارپائی کے قریب آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اپنے شغل کو سناؤ کیسے کرتے ہو میں نے اس کو کھڑے ہی کھڑے سنا دیا فرمایا صحیح ہے اس کے بعد ایک دوسرے شغل کی تعلیم فرمائی اور تاکید کی کہ اس طرح کرتے رہو اور فوراً نظر سے غائب ہو گئے۔ عرصہ کے بعد جب نوبت حاضری بریلی شریف کی ہوئی تو فرمایا کہ میں نے بلیا میں جو تم کو شغل تعلیم کی تھی تم اس کو سمجھ بھی گئے تھے۔ میں نے عرض کی کہ خوب سمجھ گیا تھا اُسی طرح کرتا بھی ہوں۔ حضرت یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

کرامت ۳۳:- خلیفہ مولوی عبدالرؤف صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ میں جب حج کو گیا تھا اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جا رہا تھا تو راستہ میں جہاں قافلہ ٹھہرتا تھا وہاں میں حضرت کو دیکھتا تھا کہ میرے قافلہ میں موجود ہیں۔ گویا ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ پہونچ گیا اور روضۂ رسول ؐ کی زیارت کو میں حاضر ہوا تو وہاں دن میں اپنی آنکھوں سے حضرت کو دیکھا کہ زیارت میں مصروف ہیں اور موجود ہیں۔

یہ واقعہ کچھ ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ جب جب میں روضۂ مبارک پر جاتا تھا تو حضرت کو وہاں موجود پاتا تھا یہ میرا خیال نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے۔ حضرت بدیہی طور پر مجسم نظر آتے تھے اور اکثر اوقات مجھ سے ہم کلام بھی ہو جایا کرتے تھے اور کچھ ہدایات خاص سے بھی مشرف فرما دیا کرتے تھے اور میرے چند سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

کرامت ۳۴:- مولوی صاحب موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ ۱۳۳۲ھ میں حج کو گیا تو وہاں ایک روز خواب میں قدم بوسی حاصل ہوئی۔ دیکھا کہ

بہت بڑا مجمع ہے اور بہت سے اکابر جمع ہیں اس میں ہمارے سرکار تشریف رکھتے ہیں حضرت نے اسی مجمع میں ایک معمر بزرگ پاکیزہ صورت کی طرف اشارہ کرکے مجھ سے فرمایا کہ یہ بزرگ جبل ابوقبیس پر رہتے ہیں تم ان سے ملے تھے یا نہیں اگر نہیں ملے تو اب ان سے ضرور ملنا چنانچہ میری آنکھ کھل گئ تو میں جبل ابوقبیس کی طرف چلا اور لوگوں سے دریافت کیا کہ کوئ بزرگ اس صورت وشکل کے یہاں تشریف رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ ہاں رہتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھتے ہی انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ میرے دوست نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے۔ آؤ بیٹھو میری بڑی خاطر اور دعوت کی اور خود بخود حدیث عشر کی اجازت مجھے دی اور فرمایا کہ یہ حدیثیں میرے خاندان میں یکے بعد دیگرے سنداً چلی آتی ہیں یہ تم کو دیتا ہوں اپنے پاس رکھو تمہارے کام آئے گی میں نے اُن کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور اُن حدیثوں کو اُن بزرگ سے سبقاً سبقاً میں نے پڑھا اور ان بزرگ نے اس کے مطلب سمجھائے وہ حدیثیں میرے پاس تبرکاً موجود ہیں۔

کرامت:- ۳۵ ڈاکٹر آئ داس صاحب جو ولایت کے پاس شدہ سول سرجن ہیں اور کلکتہ میں جن کی اعلیٰ درجہ کی پریکٹس ہے اور حضرت کے غلاموں میں ہیں فرماتے تھے کہ مجھ پر چند واقعات ایسے گذرے ہیں جو حضرت کے کرامت پر دال ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ میں کلکتہ میں تھا رمضان کا مہینہ آخر ہو گیا میں نے خیال کیا کہ عید میں بریلی شریف میں پہونچ نہیں سکتا حضرت کی نذر عید بذریعہ منی آڈر روانہ کردوں چنانچہ نذر روانہ کردی اس کے بعد اشتیاق قدم بوسی نے مجبور کیا چاہا کہ عید کے سلام کے لیے بریلی شریف حاضر ہوں۔ ہنوز روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرت کو خواب میں دیکھا کہ حضور تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ تمہاری نذر عید پہونچ گئ تم کو بریلی آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تم کلکتہ میں رہو اور اپنا کام کرو میں نے عرض کی قدم بوسی کو بہت دل چاہتا ہے فرمایا کہ اچھا اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو میں خود پرسوں پہر تمہارے پاس آؤں گا تم مجھ کو دیکھ لینا جب پرسوں ہوا تو دن کا وقت تھا میں اپنے شفاخانہ میں بیٹھا کام کر رہا تھا اور مریضوں کو دیکھ بھال رہا تھا کہ یک بیک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میرے شفاخانہ میں تشریف لائے میں متعجبانہ تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ اور قدم بوس ہوا۔ حضرت تھوڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد تشریف لے گئے اس وقت میرے حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی میں خیال کرتا تھا کہ میں جاگتا ہوں یا سوتا ہوں کس حالت میں ہوں بالآخر میں نے یقین کر لیا کہ جاگ رہا ہوں اور اپنے شفاخانہ میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اشتیاق قدم بوسی اور بڑھ گیا اور بعد عید میں حاضر بریلی شریف ہوا تو حضرت کو اسی لباس میں دیکھا جس میں کلکتہ تشریف لائے تھے۔

کرامت:۔ ۱۳۳ خلیفہ احمد حسین صاحب رئیس آنولہ ضلع بریلی جن کا بہت بڑا صابون کا کارخانہ کلکتہ میں ہے اور لاکھوں روپیہ کا کاروبار ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت شکار کے لیے بریلی سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ذریعہ موٹر تشریف لے گئے تھے عصر کے بعد معاودت کا قصد فرمایا جب موٹر ٹھیک کیا جانے لگا تو موٹر کا سلینڈر پھٹ گیا اور اس میں سوراخ ہو گیا اور اس قابل نہ رہا کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکے ہمراہیان سخت گھبرائے کہ شام ہو رہی ہے جنگل کا موقع ہے کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے بستر ساتھ نہیں ہے۔ کیا ہو گا کیسے جنگل میں رہا جائے گا۔ کسی طرح مغرب کے وقت تک خانقاہ میں پہونچ جاتے تو بہتر تھا۔ لیکن فاصلہ زیادہ تھا پیدل پہونچ نہیں سکتے تھے۔ جب ہمراہیان کی گھبراہٹ حد سے متجاوز ہوئی تو آپ نے اُن کی دلدہی کے لیے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو انشاء اللہ مغرب کے وقت تک خانقاہ میں پہونچ جائیں گے۔ موٹر ڈرائیور سے

فرمایا کہ میرے رومال کو اس چلے ہوئے انجن اور ٹوٹے ہوئے پرزے سے لپیٹ دو اور اللہ کا نام لے کر چلاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ موٹر چل کھڑا ہوا اور خانقاہ ہی میں آکر رُکا جس وقت سرکار حویلی کے دروازہ پر پہونچے اور اپنا رومال موٹر کے ٹوٹے ہوئے پرزے سوراخ دار سے نکال لیا موٹر بالکل بیکار ہو گیا اور موٹر خانہ تک دس بارہ آدمی نہایت مشکل سے اس کو لے جاسکے۔ رومال جب موٹر کے سوراخ سے نکالا گیا تو اس میں ذرا بھی دھبہ سیاہی وغیرہ کا نہیں تھا۔

کرامت ۳۷:- انھیں خلیفہ صاحب سے یہ بھی روایت ہے کہ میرے بھتیجے سرفراز احمد کو اختلاج قلب کا عارضہ تھا اس نے حضرت کے حضور میں حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا آپ نے فرمایا کہ تم میری طرف دیر تک دیکھتے رہو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تھوڑی ہی دیر میں وہ اختلاج قلب بالکل جاتا رہا اور پھر کبھی نہیں ہوا۔

کرامت ۳۸:- خلیفہ احمد حسین صاحب سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک مرتبہ سات نفر مجنون اور ایک نفر مجنونہ رسن بستہ خانقاہ میں لائے گئے۔ عورت تو خانقاہ کے سامنے والے مکان میں کر دی گئی اور ساتوں مجانین خانقاہ میں رہے۔ حضرت نے سب کو ایک صف میں کھڑا کیا اور ہر ایک کو اپنی نگاہ فیض اثر سے دیکھنا شروع کیا منجملہ ان کے ایک شخص کو فرمایا کہ یہ مجنون نہیں ہے مجذوب ہے۔ اس کی رسی کھول دو اور جو شخص اس کو لایا تھا اس سے کہا کہ اس کی کمال درجہ کی تعظیم و تکریم کرنا اس کی وجہ سے تم کو دینی و دنیوی فلاح ہوگی۔ اس مجذوب نے حضرت کے کان میں جھک کر کہا اور کچھ حضرت نے اس کے کان میں کہا اس کے بعد وہ مجذوب روانہ ہو گیا۔ بقیہ چھ مجنون کو حضور اپنی نگاہ سے برابر دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ سب کے سب اچھے ہو گئے اور اپنے اپنے گھر کو تندرست ہو کر چلے گئے اور اس مجنونہ عورت پردہ نشین کا جو ایک مکان

میں بند کر دی گئی تھی، یہ حال ہوا کہ تمام محلے اور گھر والے اس کے شور و غل سے عاجز آ گئے تھے۔ اس کی گود میں تین مہینے کا ایک بچہ بھی تھا وہ اس کو دودھ تک نہیں پلاتی تھی بلکہ مارنے کو دوڑتی تھی۔ اس کی صورت سے بیزار تھی۔ حضرت نے دوسرے روز اس کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ اس عورت سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے جس کی پاداش میں اس کو خداوند کریم نے پاگل کر دیا ہے اس کی ماں اس کے ساتھ تھی اس سے فرمایا کہ سچ بتاؤ کیا واقعہ گذرا ہے وہ تھرا گئی اور کہا کہ واقعہ یہ ہوا کہ میں نے پہلے اس کی شادی ایک دوسرے شخص سے کر دی تھی۔ اس کے بعد یہ شخص جو اس کے ساتھ ہے اس پر عاشق ہو گیا اور مجھ سے کہا کہ اس کی شادی مجھ سے کر دو میں بھی لالچ میں آ گئی اور راضی ہو گئی جب اس کے پہلے شوہر کو خبر معلوم ہو گئی تو اس نے عدالت میں رخصت کرا پانے کا دعویٰ کیا۔ مختاروں نے رائے دی کہ یہ ضرور رخصت ہو جائے گی تم اس کو عیسائی قرار دو اور عیسائی مشن کو اطلاع کر دو وہ لوگ اس کو چھوڑ کر عیسائی بنالیں گے۔ اس کے کچھ روز کے بعد تم اس کو اپنے پاس بلا لینا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا عیسائی لوگ اس کو عیسائی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے اور اس کو عیسائی بنائے رہے چند ماہ کے بعد اس کو پھر واپس لے آئی اور اس شخص کے ساتھ کر دیا۔ بس یہی قصور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تھوڑا قصور ہے۔ اسی سے یہ پاگل کر دی گئی۔ بہر حال میں خدا سے دعا کروں گا ممکن ہے کہ سن لے۔ لیکن پہلے شوہر سے طلاق لے کر باضابطہ اس کا نکاح اس شخص سے کر دو۔ اب مسلمان ہو کر رہے اور اتقاء و پرہیزگاری اختیار کرے اللہ معاف کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت نے دودھ منگا کر اس کو پینے کو دیا پیتے ہی سارا جنون جاتا رہا اسی وقت اپنے بچہ کو گود میں لے کر دودھ بھی پلایا اور محبت بھی کرنے لگی۔ اچھی خاصی ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

کرامت ۹۳:۔ انھیں خلیفہ صاحب سے بھی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں سفر

میں حضرت کے ہمرکاب ریل پر سوار تھا۔ ظہر کا وقت ہوگیا ریل ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر دو تین منٹ کے واسطے کھڑی ہوگئی۔ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ ظہر کا وقت اخیر ہو چلا ہے اور میں نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے۔ اگر باہر جاکر وضو کر کے میں نماز پڑھتا ہوں تو ریل چھوٹ جاتی ہے ______ اور اگر نہیں پڑھتا ہوں تو گنہگار ہوتا ہوں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ تم نہایت اطمینان سے ریل سے اتر کر پانی لے لو وضو کرو نماز پڑھو جب تک تم نماز نہ پڑھ لوگے گاڑی ہرگز چل نہیں سکتی آپ کے فرمانے پر وہ اعتبار کر کے گاڑی سے اتر پڑا اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگا۔ ادہر گاڑی نے سیٹی دی لوگ گھبرائے کہ یہ شخص چھوٹ گیا۔ آپ نے بہ آواز بلند اس سے فرمایا کہ تم اطمینان سے نماز پڑھو۔ ریل ہرگز نہیں جاسکتی چنانچہ انجن لاکھ چیخا کیا مگر اپنی جگہ سے نہ ہل سکا جب یہ شخص نماز و دعا سے فارغ ہو کر بہ اطمینان ریل پر سوار ہو لیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اطمینان سے نماز پڑھ لی اُس نے دست بستہ ہو کر عرض کی کہ میں نے بہت اطمینان سے نماز پڑھ لی آپ نے فرمایا کہ اب گاڑی چلے گی یہ فرماتا تھا کہ گاڑی چل کھڑی ہوئی۔

کرامت نمبر ۸:۔ خلیفہ احمد حسین صاحب سے یہ بھی روایت ہے کہ میں مقام آنولہ سے بغرض قدمبوسی بریلی شریف حاضر ہوا تو حضرت کو دیکھا کہ شاہجہاں پور تشریف لے جانے کے لیے سکنڈ کلاس گاڑی میں بیٹھے ہیں لہٰذا میں بھی ہمراہ ہو لیا اور شاہ جہانپور پہونچا یہاں ایک دیہائی رئیس نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میری لڑکی عرصہ سے سخت بیمار ہے تمام اطباء شہر و دہلی و لکھنؤ کا علاج ہو چکا مگر کچھ نفع نہ ہوا حضور تکلیف فرما کر ذرا تشریف لے چلیں اور دم کر دیں۔ حضرت محض ان کی خاطر سے اُن کے مکان پر تشریف لے گئے اور اندر جاکر دم کر کے فوراً باہر چلے آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل اچھی ہے کوئی بیماری اس کو

نہیں ہے ناحق اس کو بیمار کہتے ہو فلاں دوا بازار سے منگا کر اس کو پلاؤ۔ آئندہ بیمار نہ ہوگی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ لڑکی حضرت کی توجہ سے بالکل اچھی ہوگئی۔

کرامت ۱۴۱:- ایک مرتبہ حضرت کی آنتوں میں گرہ پڑ گئی تھی اور خراش ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے حکماء اور ڈاکٹر علاج کر کے تھک گئے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹروں نے جواب دیدیا کہ اس مہلک مرض سے حضرت کا جانبر ہونا غیر ممکن ہے۔ آپ اب چند گھنٹوں کے مہمان ہیں غذا بڑی چیز ہے دوا تک حلق سے نیچے نہیں اترتی تھی جب ہر طرح کی مایوسی ہوئی تو آپ کے لخت جگر حضرت عزیز میاں صاحب قبلہ نے حضور سے عرض کی ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ حضور تاج الاولیا کے سارے حکم کی میں نے تعمیل کردی اب کوئی حکم بغیر تعمیل نہیں ہے مگر حضور کو یاد ہوگا کہ تاج الاولیا نے حضور سے فرمایا تھا کہ جب تک عزیز کی تکمیل نہ کرلینا اس وقت تک دنیا سے جانے کا قصد نہ کرنا حضرت نے فرمایا ہاں میاں مجھے یاد ہے الحمد للہ کہ میں نے تمہاری تکمیل کردی۔ سلوک ختم کرادیئے اس کے علاوہ بھی جو کچھ سینہ بسینہ مجھے پہونچا وہ سب میں نے تم کو دے دیا اب کچھ باقی نہیں ہے۔ عزیز میاں نے فرمایا کہ ایک چیز باقی ہے وہ یہ کہ کتاب شمس العین کا آخر باب باقی رہ گیا ہے۔ جب تک اسے بھی آپ ختم نہ کرادیں آپ دنیا سے کیسے جاسکتے ہیں یہ سننا تھا کہ آپ فوراً اٹھ بیٹھے اور کہا کہ تم مجھے مرنے نہیں دوگے ناحق ہارج ہوتے ہو اچھا کتاب لاؤ پڑھ لو کہ یہ بھی پورا ہو جائے۔ عزیز میاں نے فرمایا کہ ابھی تو نہیں پڑھتا جب وقت آئے گا تو پڑھ لوں گا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میرا فراست علی سے کہو کہ فوراً کھچڑا تیار کرے اور اس میں سرخ مرچیں بہت زیادہ ڈالی جائیں اور اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی فاتحہ دے کر میرے سامنے لایا جائے چنانچہ فوراً تعمیل حکم کی گئی۔ کھچڑا تیار کر کے لایا گیا آپ نے خود سید الشہداء کی فاتحہ دے کر خوب

پیٹ بھر کر اس کو تناول فرمایا ڈاکٹر داس اور دیگر ڈاکٹران حیرت زدہ ہوکر رہ گئے کہ اگر آپ نے کھچڑا کھایا تو فوراً روح پرواز کر جائے گی جس کے حلق سے دوا تک نہ اُترتی ہو بھلا وہ کھچڑا ایسی ثقیل چیز کیونکر ہضم کرے گا مگر آپ نے ان لوگوں کے کہنے کا کچھ خیال نہ فرمایا اور خوب پیٹ بھر کے تین مرتبہ۔ صبح دوپہر، شام اس کھچڑے کو استعمال فرمایا اس کے بعد کہاں تو آپ چارپائی سے نیچے نہیں اتر سکتے تھے یا اپنے پاؤں اندر سے خانقاہ تشریف لائے۔ بالکل اچھے ہوگئے۔ گویا بیمار ہونا، اچھا ہونا، مرنا، جینا۔ سب آپ کے اختیار میں تھا۔ جس حالت میں چاہیں رہیں۔

کرامت ۴۲:۔ ایک مرتبہ سرکار الہ آباد تشریف لے گئے تھے۔ بہ اصرار غلامان طریقت گونتی تشریف لے جا رہے تھے اور عزیز میاں صاحب قبلہ آپ کے ساتھ تھے ریل جب الہ آباد کے اسٹیشن سے روانہ ہوکر دو تین میل کے فاصلہ پر پہونچی تھی کہ دوسری طرف سے ایک پسینجر اسی لین پر اپنی پوری رفتار سے آرہا تھا۔ قریب تھا کہ دونوں گاڑیوں میں تصادم ہو جائے۔ حضرت سکنڈ کلاس کی گاڑی میں سوار تھے سامنے عزیز میاں بیٹھے تھے قبل اس کے کہ اس واقعہ کی کسی کو اطلاع ہو آپ گھبرا کر خود بخود بول اٹھے کہ دیکھو، گاڑی لڑا چاہتی ہے اور عزیز میاں سے کہا کہ تم ان گاڑیوں کو روک دو عزیز میاں نے فرمایا کہ حضور کے سامنے میری کیا مجال ہے کہ دخل دے سکوں اتنے میں دونوں گاڑیاں جو اپنی پوری رفتار سے جا رہی تھیں دفعتاً رک گئیں اس کے بعد ڈرائیور سے لے کر گارڈ تک شور مچ گیا اور سب متحیر ہو گئے کہ گاڑیاں بلا روکے ہوئے یک بیک کیسے رک گئیں۔ بہر حال دونوں گاڑیاں اپنے اپنے پیچھے کو لوٹ گئیں اور مخلوق کی جانیں حضرت کے کرم سے بچ گئیں ؎

ہست قدرت اولیا را از الٰہ   تیر جستہ باز گرداند ز راہ

کرامت :- خلیفہ احمد حسین صاحب سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں خانقاہ میں حاضر تھا ایک دیہاتی عورت ایک بیمار بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی اور حضرت کے پاس در کے قریب بیٹھ گئی اور حضرت سے کہا کہ میرا بچہ بہت بیمار ہے اس کو آپ سے دم کرانے کو لائی ہوں۔ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر کچھ توجہ نہ کی اور ہم لوگوں سے باتوں میں مصروف ہو گئے وہ عورت لڑکا لئے بیٹھی رہی تھوڑی دیر کے بعد چیخ مار کر رونے لگی کہ میاں میں تو اس کو بیمار کو آپ کے پاس دم کرانے کو لائی تھی مگر یہ تو میری گود ہی میں مر گیا۔ جب وہ بہت چلائی چیخی تو حضرت کو رحم آگیا اور اس عورت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بچہ کو میرے پاس لاؤ اس نے حضرت کے سامنے مردہ بچہ کو ڈال دیا دیکھا تو واقعی مر چکا تھا بے حس و حرکت پڑا رہا۔ حضرت تھوڑی دیر اس بچے کو دیکھتے رہے۔ آپ نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا اور کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ اس بچے کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور سانس لینے لگا۔ حضرت نے اس بچہ کو اس کی ماں کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اب یہ اچھا ہو گیا اس کو لے جا۔ وہ ہنستی ہوئی خوش خوش اپنے گھر کو چلی گئی۔ ہم حاضرین جلسہ کو سخت حیرت ہوئی اس وقت بیساختہ یہ کلمہ زبان سے نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ کا زندہ کرنا سنا کرتے تھے آج اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔

قوت شاہ نجف بیں کہ بہ یک نیم نگاہ

میکند آنچہ بصد حیلہ مسیحا می کرد

کرامت ۴۴ :- داروغہ وقارالدین صاحب ساکن بریلی ایک مرتبہ ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لیے ایک مقام پر گئے۔ مگر اتفاقاً خود ان کے حلقہ میں گھر گئے اور ڈاکوؤں نے ان پر فیر کرنا شروع کیا بد حواسی کے عالم میں جب اُن سے کچھ نہ ہو سکا تو ہمارے سرکار سراج السالکین کا نام لے کر کہا کہ یا حضرت

میری جان گئی اللہ کے واسطے میری مدد کیجئے اور مجھے بچائیے یہ کہنا تھا اور آپ کی صورت کا خیال کرنا تھا کہ حضرت کو دیکھا کہ سامنے کھڑے ہیں اور مجھے تسکین دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں تم پر ان کی گولی کا کچھ اثر نہ ہوگا اُدھر ڈاکوؤں کی طرف فیر پر فیر ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ گولیوں سے ان کی پگڑی گر گئی کچھ سر کے بال بھی اُڑ گئے۔ دامن چھد گئے۔ جسم پر گولی لگتی بھی تھی مگر کچھ اثر نہیں کرتی تھی۔ اس کے پاؤں کے پاس گولیاں جمع ہوتی جاتی تھیں۔ جب ڈاکوؤں نے دیکھا یہ بدستور کھڑے ہیں۔ ان پر گولیوں کا اثر ہی نہیں ہوتا تو ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ داروغہ صاحب صحیح و سلامت تھانہ پر واپس آئے۔ جب بریلی آئے تو حضرت سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میاں اللہ بچانے والا ہے۔ جس کو خدا نہ مارے اس کو کوئی نہیں مار سکتا۔

ناچیز مؤلف کہتا ہے کہ آپ کے کشف کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا انحصار کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کوئی دن ناغہ نہیں جاتا تھا کہ کوئی نہ کوئی خرق عادت آپ سے سرزد نہ ہوئی ہو۔ آپ کا کوئی جاننے والا عام اس سے کہ مرید ہو یا غیر مرید، ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس کو آپ کی کوئی نہ کوئی کرامت معلوم نہ ہو اگر آپ کے کشف و کرامات جمع کیے جائیں تو ایک بہت بڑی کتاب ہو جائے اور یہ بھی ختم نہ ہو۔ لہٰذا صرف اسی قدر مختصر کشف و کرامات پر جو حوالہ قلم کئے گئے ہیں اس کو ختم کرتا ہوں۔

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ

بابُ الوفاتُ

حضور سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ کبرائے اولیا و عظمائے اصفیا اور کمالات ظاہری و باطنی کے ساتھ آراستہ و پیراستہ اور عشق و محبت کے ساتھ وابستہ و پیوستہ۔ زہد و تقویٰ میں معروف اور اوصافِ کریمہ کے ساتھ موصوف تھے۔ اور ایسی حالت عشقیہ اور نسبت قویہ رکھتے تھے کہ اگر اس حالت میں کسی پر نظر ڈالتے یا کوئی آپ کو بغور دیکھتا تو اس میں بھی مستی و سکر کی حالت پیدا ہو جاتی تھی اور برسوں کا کام آپ کی ادنیٰ توجہ سے ایک لحظہ میں انجام پا جاتا تھا۔ ایام صبی اور طفولیت ہی سے انوار بزرگی و ولایت آپ کی پیشانی سے پیدا اور آثار ہمت بلند و تفرید ارجمند کے آپ کے آئینہ جمال سے ہویدا تھے ۔

برناصیہ اش زار جمندی
می تافت ستارۂ بلندی

ابتدا ہی سے سنجیدگی و متانت آپ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہوتی تھی۔ مگر کتمان کمالات و خاموشی و خلوت نشینی پسند خاطر عاطر تھی۔ آپ پیشوائے اہلِ کمال مقتدائے اصحاب حال سر حلقہ بادہ نوشان جام توحید۔ سر دفتر درویشانِ تجرید و تفرید، قطب الارشاد، فرد الافراد اور ذاتِ مطلق میں استغراق تمام

رکھتے تھے۔ آپ کی عظیم الشانی اور علو مکانی اس سے بھی قیاس میں آسکتی ہے کہ بڑے بڑے علمار متبحّر آپ کے حلقہ غلامی میں داخل تھے۔ ہمارے سرکار کے واقعاتِ رحلت و وفات حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے سے ہیں۔ اُن کے واقعات کو تو کئی سو برس گذرے کتابوں میں درج ہیں۔ مگر حضرت سراج السالکینؒ کا واقعہ وصال تو اپنی آنکھوں سے دیکھنے میں آیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات عین حالتِ سماع میں اپنی خانقاہ سے الگ حضرت شیخ علی سجزیؒ کی خانقاہ میں اس طرح ہوئی کہ ۱۰ر ماہ ربیع الاوّل کو مجلس سماع تھی آپ اور تمام بزرگانِ دہلی شریکِ مجلس تھے قوال نے حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا سہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

یہ شعر سن کر حضرت قطب صاحب کو حالت وجد کی پیدا ہوئی اور غلبہ شوق میں بیہوش ہو گئے حتیٰ کہ نوبت نزاع کی پہونچ گئی اور اسی حالت میں رُوح پرواز کر کے اپنے مرکز پر پہونچ گئی اور اپنے مقام خاص پر قیام پذیر ہو گئی۔

اسی طرح ہمارے سرکار سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی خانقاہ سے الگ مقام سیتل میں چراغ علی شاہ کی درگاہ خانقاہ میں رونق افروز تھے۔ جب گانے والے نے یہ شعر پڑھا کہ سہ

باشد ایماں مسلماں مصحفِ روئے علیؓ
سجدہ گاہِ ماست محرابِ دو ابروئے علیؓ

تو چونکہ ہمارے سرکار میں بہ سبب غلوئے محبت اہلِ بیت نسبت مرتضوی

غالب تھی اور کمالِ محبت کا اقتضا یہ ہے کہ جان نثار جاناں کر دی جائے لہذا۔ وفور محبت مولائے کائنات نے یہ رنگ دکھایا کہ شعر سنتے ہی آتشِ عشق علی شعلہ زن ہوئی اور اس نے رخت وجود عاشق کو پھونک دیا ؎

لاگ کی آگ لگتے ہی پنبہ نمط یہہ جل گیا
رخت وجود جان و تن کچھ نہ بچا ہو سو ہو
مجھ سے مریض کو طبیب ہاتھ تو اپنا مت لگا
اس کو خدا پہ چھوڑ دے بہر خدا جو ہو سو ہو

(نیاز بے نیاز رح)

خلاصہ یہ کہ یہ شعر سنکر آپ پر حالت وجد کی طاری ہوئی اسی حالتِ وجد میں آپ نے مکرر اپنی زبان مبارک سے مصرع ثانی کا اعادہ فرمایا اور سجدہ میں گئے اور جانِ پاک سپرد جان آفریں کر دی۔ اس حالت وجد اور بیہوشی و بیخودی میں سجدہ کرنا اس سے غرض تھا کہ عبدیت اور معبودیت کے معنی کو ظاہر اور آشکارا کر کے دکھا دیں اور سمجھا دیں کہ سجدہ کرنا اظہار عبدیت کی دلیل ہے۔ عبد کے معنی فانی اور مستہلک ہونے کے ہیں۔ آپ سجدہ میں کیا گئے گویا عبد اپنے معبود میں فانی اور مستہلک ہو گیا۔ عاشق کو وصالِ حقیقی و دوامی نصیب ہو گیا ؎

تو کجا کو سے آں عالی جناب
فہم کن واللہ اعلم بالصواب

چونکہ ہمارے سرکار سراج السالکین کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نسبت اور فیضانِ خاص حاصل تھا وہ یہ کہ خواجہ صاحب کے اجداد کا وطن اصلی اندنی جان تھا اور ہمارے سرکار سراج السالکین رح کے اجداد کا بھی وطن اصلی اندمی جان ہے خواجہ صاحب کا وصال روز دماہ

وفاتِ رسولؐ یعنی ربیع الاوّل روز دوشنبہ ہے اس طرح ہمارے سرکار سراج السالکینؒ کی بھی وفات کا روز و ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ ہے خواجہ صاحب کا بھی وصال حالتِ سماع میں ہوا۔ خواجہ صاحب کا وصال اپنی خانقاہ میں نہیں ہوا غیر کی خانقاہ میں ہوا۔ اسی طرح ہمارے سرکار کا بھی وصال اپنی خانقاہ میں نہیں ہوا غیر کی خانقاہ میں ہوا۔ خلیفہ مولوی انوار الرحمٰن صاحب کشف مسترات میں کیا خوب فرماتے ہیں کہ ہویت صرفہ کی گھنگھور گھٹا میں سے ایک نورانی بجلی چمکی وہ پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں سے ہوتی ہوئی وادیوں اور جھاڑیوں کی تاریک غاروں اور پیچیدار نالوں اندھیری سرنگوں اور آباد شہروں کے سر بہ فلک کشیدہ ایوانوں اور غربار کے خس پوش جھونپڑوں کو آن کی آن میں یکساں روشن اور منوّر کرتی ہوئی پھر اپنے مبدا ر اصل میں جاکر چھپ گئی۔ وحدت کا آفتاب غیب الغیب کے مطلع سے طلوع ہوا اور اس کی ضیار بار کرنیں علویات ملکوتی کو منور کرتی ہوئی خاکدان ناسوتی میں ضو ریز ہوئیں۔ شجر و حجر، جن و انس و جمیع موجودات نے اپنی قابلیت ازلیہ کے لائق اکتساب نور کیا کہیں سوختگی و برشتگی پیدا ہوئی کہیں سردی و گرمی ظاہر ہوئی پہاڑوں میں لعل و زمرد بنے۔ جنگلوں میں اشجار و گلزار پیدا ہوئے۔ میدانوں میں گیاہ خار نمایاں ہوئے۔ عالم کو عالم نور بنا کر دَور آفتابی ختم ہو گیا اور وہ شعاعیں اپنے مرکزِ اصلی کی طرف رجوع کر گئیں۔ آفتاب روحانیت عالم ملکوتی سے گذرتا ہوا احدیت مغرب میں جاکر غروب ہو گیا۔ آیاتِ بینات الٰہیہ ہمیشہ اس عالم میں ظہور کرتی رہتی ہیں ان کے مشاہدہ سے ایک فوری تاثیر ناظرین میں ہو جاتی ہے اور پھر کز لک امتداد زمانہ ان کی یاد صفحہ قلوب میں اہل عالم سے حک کر دیتا ہے اگر کوئی خاص واقعہ اہل تاریخ نے بذریعہ تحریر کتاب محفوظ کر لیا تو البتہ ایک عرصہ تک اس سے عبرت

حاصل کی جا سکتی ہے اور اکتساب فیض کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ان ایام میں واقعہ ارتحال پر ملال حضرت سیدنا مرشدنا مولانا شمس المعرفت قمر الحقیقت بدر الطریقت سراج السالکین **حضرت شاہ محی الدین** احمد نور اللہ ضریحہ الیٰ ابد سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ بریلی شریف کا پیش آیا اور جس طرح آپ کی ذات قدسی صفات عالم حیات صوری میں آیت اللہ تھی اسی طرح واقعہ وصال میں بھی چند در چند نشانیاں ظاہر فرما کر حجاب میں مستور ہو گئی۔
لہٰذا علی العموم جمیع برادران اسلام اور علی الخصوص وابستگان خانوادہ عالیشان نیازیہ کے افادہ و استفادہ کے لیے صاف اور سیدھے اور مختصر الفاظ میں اس واقعہ کی تفصیلات مقید بالکتاب کیے دیتا ہوں تاکہ سرکار کی ایک عمدہ یادگار دنیا میں قائم رہ جائے اور ہم متوسلین خاندان نیازیہ کے لیے باعث حصولِ فیضان ہو۔ جیسا مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

چونکہ گل بگذشت گلشن شد خراب
بوئے گل را از کہ یابیم از گلاب
چونکہ شد خورشید مارا کرد داغ
چارہ نبود بر مقامش جز چراغ

اہل عالم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ۱۰ھ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر مقام غدیر خم میں خطبہ مشتمل بر فضائل مولائے کائنات و حقوق اہلبیت عظام ارشاد فرمایا تھا چونکہ سرکار بریلی کی ذات عالی درجات اس وقت میں حضور سرور کائنات کے ساتھ لبسنت و استہلاک و استغراق اور اہلبیت نبوی کے ساتھ مناسبت و فنائے تامہ رکھتے تھے۔
اس لیے اکثر واقعات مطابق اسوہ حسنہ پیش گاہ نبوت و سرکار ولایت کے ظہور پذیر ہوئے تاکہ لوگوں کے لیے بواطن احوال کے شواہد ظاہر ہو جائیں اور ہمدردی محبوبیت

ذاتی کی طرف دلیل راہ ہوں۔ چنانچہ گذشتہ موقع پر عرس واقع جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ جو غلامان خاندان نیازیہ کے لیے کیا بحیثیت اجتماع اور کیا بحیثیت حصول برکات ایک گونہ قائم مقام حج کا تھا اور چونکہ اس کے بعد دوسرے عرس تک حضرت بحیاتِ ظاہری رونق افروز رہنے والے نہ تھے اس لیے اہلِ طریقت اگر اس عرس کو قائم مقام حجۃ الوداع کا کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ حضرت نے بخلاف معمولات عرائس سابقہ مجمع عام میں خطبہ نہایت فصیح و بلیغ فرمایا اور اس میں ارشاد کیا میرے پاس جو عزیز ترین پارہ بدن تھا وہ میں نے مہدی میاں کو دے دیا۔

(جان لینا چاہیئے کہ حضرت صاحب کے موافق سنت نبوی اولاد نرینہ نہیں ہے صرف ایک صاحبزادی اور نواسے ہیں سب سے بڑے نواسے حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب قبلہ دام فیضہ ہیں جن کی ابتدا سے تربیت لبغرض جانشینی فرمائی گئی۔ چنانچہ آپ ہی جانشین فرمائے گئے اور حضرت مہدی میاں قبلہ حضرت کے خویش اور ان نواسوں کے پدر بزرگوار ہیں۔)

اس کے بعد آپ نے حضرت عزیز میاں صاحب کے خصائص اور فضائل بیان فرمائے اور مریدین کو ان کے حفظ ادب اور حق شناسی اور خدمت گذاری واطاعت کی تاکید فرمائی۔ چونکہ اس وقت آپ کھڑے ہو کر اور عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ بیان فرما رہے تھے۔ ایک مرتبہ جوش میں آکر حضرت عزیز میاں کا ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند پر کھینچ لیا اور سینہ مبارک سے لگا لیا اور ارشاد کیا کہ یہ میرے فرزند اور لخت جگر ہیں ان کی اطاعت میری اطاعت ان کی دشمنی میرے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ کسی مرید یا خلیفہ کو ان سے دعوی مساوات

کا نہیں ہو سکتا یہ عین میری ذات ہیں لہٰذا جتنے میرے مریدین اور خلفاء ہیں سب اُن کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ ان کو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو امام حسین علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ اختتام خطبہ پر ارشاد فرمایا کہ جس کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو وہ آج مجھ سے لے لے اور بہت سے کلمات ایسے ارشاد فرمائے جو قرب ارتحال پر دال تھے۔ چنانچہ ہم نے سب حاضرین کو سخت اندیشہ واندوہ پیدا ہوا بعد تمام ہونے ان صحبت کے بعض لوگوں نے اپنے اندیشے حضرت کی خدمت میں عرض کئے تو اُن کی تسکین فرمادی گئی اس عرس کے موقع پر بعد خطبہ خوانی کے عصر کے وقت حضرت عزیز میاں کی خواہش سے صحبت چشتیہ منعقد فرمائی گئی جس میں خاص خاص اہلِ حال اور خلفاء شریک کئے گئے اور خود حضرت بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے یہ صحبت درحقیقت اس تربیت روحانی کی ایک مخصوص نمائش تھی جو حضرت صاحب نے جناب عزیز میاں کی فرمائی تھی ورنہ اس طرح کی صحبت اس سے قبل کبھی تربیت نہیں دی گئی جو لوگ اس کے قابل اور جو اس کے اہل انھوں نے دیکھا جو کچھ کہ دیکھا اور پایا جو کچھ کہ پایا بعد جلسہ کے سرکار نے تمام خلفاء کو حکم دیا کہ تم لوگ عزیز میاں کے پاس جاکر تعلیم القاء کی حاصل کرو۔ چنانچہ سارے خلفاء کو حضرت عزیز میاں نے القا کی تعلیم فرمائی۔

اب میں حضرت عزیز میاں صاحب جو نواسے اور سجادہ نشین سرکار کے ہیں ان کی نسبت اپنے معزز ناظرین کتاب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور دکھانا چاہتا ہوں کہ ان کی کیا شان ہے اور ان کی پیدائش کیسے اور کس لیے ہوئی۔ گویا آپ خاص حضرت کی جانشینی ہی کے لیے درگاہ خداوندی سے بھیجے گئے اس کا مفصل حال اور واقعہ یہ ہے۔ کہ سرکار کی صاحبزادی

کی شادی کے بعد تین برس تک کوئی اولاد نہیں ہوئی لہذا عزیز میاں کی دادی اور دادا اور ہمارے سرکار کی والدہ اور ہمشیرہ کو بہت تمنا اس امر کی تھی کہ لڑکی کے کوئی اولاد ہو جاتی۔ لہذا حضور کی ہمشیرہ اور عزیز میاں کی دادی نے حضور تاج الاولیا میں بہت منت و سماجت سے عرض کی کہ صاحبزادی کے کوئی اولاد ہو جاتی تو بہتر تھا حضور کا نام ہوتا اور ہمارا کام ہوتا۔ حضور تاج الاولیا نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ لڑکی اور اس کے شوہر کو میرے پاس بلا لاؤ میں اُن سے وعدہ لے لوں کہ ان سے جو پہلی اولاد ہوگی میں ان کو ننھے میاں کے لئے لے لوں گا بقیہ جو اولاد ہوگی وہ تمہاری ہوگی مہدی میاں اور اُن کے والدین نے کہا کہ وہ حضور ہی کی اولاد ہے۔ حضور کو اختیار ہے۔ اس میں ہم لوگوں سے اقرار لینے کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا کہ ضرورت ہے میں اس کو باضابطہ لینا چاہتا ہوں۔ جب ان لوگوں نے اقرار کر لیا تو فرمایا کہ جاؤ اولاد ہوگی۔ چنانچہ ایک سال کے اندر حضرت عزیز میاں صاحب قبلہ اس عالم دنیا میں تشریف لائے اس وقت کا ایک یہ بھی واقعہ قابل ذکر ہے کہ صحن مکان میں ایک درخت بیل کا تھا اس میں چند بیل پختہ اور کچھ خام تھے۔ جس روز حضرت عزیز میاں شکم مادر سے اس گلشن دنیا میں رونق افروز ہوئے اُسی وقت فوراً جتنے پھل پختہ اور خام درخت میں لگے ہوئے تھے سب کے سب دفعتاً خود بخود گر گئے اس کی بھی اطلاع سرکار تاج الاولیا رحمۃ اللہ علیہ سے کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ جتنے پھل اس درخت میں تھے اتنی ہی اولادیں اس لڑکی کے ہوں گی مگر جتنے پختہ تھے اتنی اولادیں زندہ رہیں گی اور جتنے خام تھے ضائع ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی حضور میں آیا۔ بہرحال بعد تولد فرزند ارجمند اس کی مسرت میں بہت خوشیاں منائی گئیں۔ جب حضرت عزیز میاں پیدا

ہوئے تو نہایت لاغر و نحیف الجثہ تھے حتیٰ کہ شکم کی جتنی رگیں تھیں سب دکھائی دیتی تھیں کمزور اتنے تھے کہ رونے کی آواز تک منہ سے نہیں نکلتی تھی اور پاخانہ تک نہیں ہوا تھا یہ حالت دیکھ کر ہمارے سرکار کی والدہ نے حضور تاج الاولیا سے فرمایا کہ اس قدر طول سامان مسرت کے لیے کیا جا رہا ہے۔ مگر اس بچہ کی زلیست کی مجھے ذرا بھی امید نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اب تک یہ بچہ نہ رویا نہ پاخانہ پھرا نہ دودھ پیا لاغر اور کمزور اس قدر ہے کہ تمام اس کی رگیں دکھائی دیتی ہیں۔ لہذا مجھے تو ذرا اس کی امید نہیں ہے سامان طعام داری اس وقت ملتوی کیا جائے تو مناسب ہے۔ حضور تاج الاولیا نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ یہ تمہارا خیال و قیاس بالکل غلط ہے۔ یہ بچہ ضرور زندہ رہے گا ہرگز نہیں مرے گا۔ کیونکہ تم کو معلوم نہیں ہے کہ یہ بچہ سرکار نبوت و دربار ولایت سے ننھے میاں کی فرزندیت میں دیا گیا ہے۔ لہذا ابھی یہ مر نہیں سکتا۔ چنانچہ نہایت خوشی و مسرت سے طعام داری وغیرہ سب کچھ کیا گیا اور یہی...... عزیز میاں صاحب بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علی رضی اللہ عنہ و لی اللہ سرکار سراج السالکین کے فرزند کہلائے لہذا اُن کے جانشین ہوئے اور اُن سے اجرائے سلسلہ نیازیہ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

عرس کے بعد اس تمام سال میں مختلف اوقات پر مختلف کرامتیں حضور سے سرزد ہوئیں اور مختلف اشخاص نے حضرت صاحب سے وہ باتیں سنیں اور دیکھیں جو آپ کے وصال کی خبر دیتی تھیں۔ مگر چونکہ صاحبزادی صاحبہ سے کمال محبت فرماتے تھے اور اسی طرح صاحبزادی صاحبہ بھی حضرت کے جمال کی پروانہ تھیں اس لیے ہمیشہ اصل حال پر پردہ ڈالتے رہتے تھے وصال کے چند روز قبل سے حضور نے یہ معمول فرما لیا تھا کہ خانقاہ میں جمیع حضار و خدام کے ساتھ چائے نوش فرمایا کرتے تھے بروز آخریں یہ ارشاد

فرمایا کہ آج آخری چائے ہے۔ جب بعض لوگ اس کلمہ سے پریشان ہوئے
تو ہنس کر ٹال گئے اور فرمایا کہ یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ نہ اب شکر ہے
اور نہ پیسا جائے کیسے پی جائے گی۔ جس شب کو آپ وصال فرمائیں گے
اُس سے پہلی شب میں اپنے لختِ جگر حضرت عزیز میاں صاحب قبلہ مدظلہٗ
کو ساڑھے چار بجے شب تک حویلی میں اپنے پاس رکھا اور جو کچھ عطا کرنا تھا
اس وقت عطا کیا اور تمام نعمتیں و اسرار و فیوضات خاندانی جو آپ کے
پاس ودیعت تھے سپرد کئے اور اپنا سجادہ نشین کر کے سجادہ و خانقاہ اور
خدّام و غلامانِ طریقت کو سپرد کیا اور خاص ہدایتیں فرمائیں اُسی شب
میں حضرت محبوب میاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو حکم دیا کہ عزیز میاں صاحب
کے نام کی مہر فوراً تیار کر دو۔ اور مہر کے الفاظ بھی خود ہی ارشاد فرمائے
"عزیز جہاں رشد محمد تقی" ۲۷ ربیع الاول شب دوشنبہ میں بعد عشاء
بوقت ۹ بجے شب موجودہ خدّام خانقاہ کو حضور نے اپنے پاس طلب
فرمایا اور بالفاظ صاف و صریح ارشاد ہوا کہ میں اب جاتا ہوں میرا کہا
سنا تم لوگ معاف کرنا اور تعویذ خاص اپنے گلے سے اتار کر اپنے جانشین
فرزند کو سپرد کر دیا اُس وقت اپنا ایک خواب بھی بیان فرمایا کہ میں
ایک بلند مقام پر بہت سا زینہ طے کر کے حضور رسول کریم صلعم کی خدمت میں
گیا ہوں وہاں دروازہ پر مجھے روکا گیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا کہ یہ میرا بچہ ہے میں نے اس کو اپنے پاس بلوایا ہے اس کو آنے دو
اور اپنے ساتھ مجھ کو ایک مقام عالی و نورانی پر لے گئے اس کے بعد حضرت
عزیز میاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ الحمد للہ جو میرے پاس تمہارے واسطے
نعمت خاندانی دولت تھی ان سب کو میں نے تم تک پہونچا دیا اب میں تمہارے
حق سے سبکدوش ہو گیا۔ میں اپنی بیٹی سے مصلحتاً کہنا نہیں چاہتا۔ مگر اب

تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ دفعتاً دربارِ خداوندی سے میری طلبی کا حکم آگیا۔ میں اسی وقت سستیل جاتا ہوں وہاں سے اب زندہ لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ مگر تم ابھی اس کی اطلاع میری بیٹی سے نہ کرنا ورنہ وہ مجھے وہاں جانے نہ دے گی اور میری موت وہیں مقرر ہے میں اس کی دلدہی کے واسطے تم کو یہاں چھوڑتا ہوں اور نیز یہ کہ گدی کو خالی نہ رہنا چاہیے تم میرے ساتھ سستیل نہ جاؤ اب میں تم سے گو ظاہر رخصت اور جدا ہوتا ہوں مگر میں اپنی اس صورت سے اب تمہاری صورت میں رہوں گا خاطر جمع رکھنا تم مجھے وہاں سے لینے کو بھی نہ آنا یہ سن کر عزیز میاں بیقرار ہو گئے آپ اُن کو تسکین فرما کر سستیل شریف لے گئے حضور نے اس وقت عزیز میاں صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ میں تم کو نیازبے نیاز کے سپرد کرتا ہوں تم غریبوں کی دلجوئی اور مریدوں کی امداد سے تساہلی نہ کرنا اور ہمیشہ اپنے کو اہلبیت اور سادات کا خادم سمجھنا اور اُن کی خاطر داری کو مقدم جاننا۔ خلاصہ یہ کہ آپ اُسی روز اور اُسی وقت ذریعہ موٹر سستیل جو دارالارشاد بریلی شریف سے غالباً ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے خانقاہ درگاہ چراغ علی شاہ میں بہ تقریب عرس تشریف لے گئے اُس وقت حضرت عزیز میاں صاحب کے قلب سے گویا یہ شعر نکل رہا تھا ؎

یوں بھی جاتا ہے کوئی انسان کو انسان چھوڑ کر
جس طرح جاتے ہو تم مجھ کو میری جان چھوڑ کر

مختصر یہ کہ آپ شریک سماع عرس سستیل ہوئے اسی وقت اثنار سماع میں اپنی کمر سے پیٹی اور چاقو، دندان مصنوعی اور خلال اتار کر ملا منزل خاں کابلی جو ہمرکاب سرکار کے خانقاہ سے گئے تھے حوالہ کیا اور فرمایا کہ یہ امانت ہے عزیز میاں کے سپرد کر دینا کیونکہ متاع دنیا سے میں کچھ بھی اپنے ساتھ

لے جانا پسند نہیں کرتا۔ حالتِ سماع میں قوال کو اپنے نزدیک طلب فرما کر حکم دیا کہ وہ غزل شروع کرو جس کا مطلع یہ ہے۔

باشدِ ایمان مسلماں مصحف روئے علی
سجدہ گاہ ماست محراب دو ابروئے علی

قوال نے عرض کی کہ مجھے یہ غزل یاد نہیں ہے تو آپ نے اپنے بھانجہ جناب سید ظہور اللہ شاہ صاحب کو جو آپ کے ہمراہ خانقاہ سے تشریف لے گئے تھے حکم دیا کہ تم اسی شعر کا تکرار کرو چنانچہ شاہ صاحب موصوف نے اس شعر کا تکرار شروع کیا لہذا آپ میں حالت وجد کی پیدا ہوئی۔ یہ سماع خیمہ کے اندر ہو رہا تھا۔ بحالت وجد آپ خیمہ سے باہر نکل آئے اور آسمان کو چاروں طرف دیکھا اور خود مصرع ثانی کا تکرار فرماتے ہوئے روبقبلہ ہو کر مثل نماز کے ہاتھ ناف پہ باندھ لیا پھر رکوع کیا پھر سجدہ تعبدی درگاہ خداوندی میں بجالائے اور اظہار عبدیت کرتے ہوئے ۷۶ برس کی عمر میں ۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ روز دوشنبہ کو بوقت شب فانی فی اللہ ہو کر وصال ظاہری ہو گیا۔ یعنی جان پاک سپرد جان آفریں کر دی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط دیر تک جب سجدے سے سر نہ اٹھا تو گھبرا کر لوگوں نے آپ کو اس وقت اٹھایا تو معلوم ہوا کہ بالکل جان نہیں ہے اطبار و ڈاکٹر نے جو بر وقت موجود تھے نبض دیکھی سب کو اتفاق ہوا کہ روح پرواز کر گئی۔ جب وصال ہو جانے کا یقین کامل ہو چکا تو ملا مزمل خاں نے حضرت کا کاندھا پکڑ کر اٹھایا اور چارپائی پر لٹانا چاہا تو باوجودیکہ روح پرواز کر چکی تھی مگر چند قدم تک حضرت اپنے پاؤں چلے اور خود چارپائی پر لیٹ رہے۔ چونکہ نسبت مرتضویہ آپ میں کمال درجہ کی غالب تھی لہذا نوعیت وصال میں بھی سنتِ مرتضوی ادا کر لی کیونکہ حضرت مولائے کائنات کا وصال بھی اسی نوعیت سے ہوا تھا کہ آپ مسجد کے

اندر شہید ہوئے آپ نے بھی اس سے باہر نکل کر آسمان کو دیکھا اور سجدہ خداوندی بجالائے اور روح پرواز کر گئی بجنسہ اسی طرح ہمارے سرکار کا بھی وصال ہوا اس طرح سنتِ مرتضوی ادا ہوئی ؎

قسمت نگر کہ بادشہ ملک عشق یافت
مرگے کہ زندگانِ بدعا آرزو کنند

شیخ سردار حسین ساکن بریلی محلہ قلعہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ خانقاہ میں حضرت کے حضور میں سماع تھی میں بھی اس مجلس میں شریک تھا یہی غزل قوّال گا رہا تھا اسی مطلع پر حضرت کو کیفیت پیدا ہوئی جب وہ حالت فرو ہوئی تو ریش مبارک پر دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ انشاء اللہ ایک روز وہ آئے گا کہ اسی مطلع پر میرا خاتمہ بھی ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ المختصر دوسرے دن جسم مبارک بریلی شریف لایا گیا۔ تمام شہر میں ایک تہلکہ مچ گیا جوق جوق مخلوق خاص و عام حکام و رعایا زیارت کے لیے آنا شروع ہوئے نماز جنازہ خانقاہ شریف میں پڑھی گئی تمام خانقاہ پُر تھی چھتوں پر بھی آدمی تھے اور بیرون خانقاہ گلی اور راستہ میں بھی صفوف نماز قائم تھیں بوجہ ہجوم بالکل قریب قریب شانہ سے شانہ ملائے ہوئے ہر شخص کھڑا تھا۔ بہ ایں حال اسی روز سہ دری کے واسطہ میں حضور اپنے والد اور دادا کے آغوش شفقت میں آسودہ ہوئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بحالت حیات ظاہری اکثر آپ رونق افروز ہو کر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ؎

صد شکر کہ ہستم میان دو کریم

اب جو باتیں اور خصوصیتیں وہبی طور پر مطابق سنت نبوی واقع ہو کر فنائیت اور غیبت اور تقرب رسول پر دال ہیں اُن کو عرض کرتا ہوں۔

۱۔ مثل رسول ؐ کے اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔

۲۔ نواسہ کے حق میں وہ الفاظ استعمال فرمائے جو رسول اللہ نے اپنے نواسوں کے حق میں استعمال فرمائے۔

۳۔ مثل رسول ؐ کے صرف ایک صاحبزادی اور نواسے چھوڑے۔

۴۔ ماہ ربیع الاوّل میں وصال ہوا۔

۵۔ شب دوشنبہ کو وصال ہوا۔

۶۔ جس طرح رسول اللہ صلعم نے ایک سال پہلے حجۃ الوداع کے بعد خطبہ فرمایا اسی طرح ہمارے سرکار بریلی نے بھی عرس الوداعی کے بعد خطبہ فرمایا۔ اور وہی باتیں ذکر فرمائیں جو رسول اللہ صلعم نے ارشاد کیں۔

۷۔ وصال کے وقت متاع و اسباب دنیاوی مثل رسول ؐ کے کچھ اپنے پاس نہیں چھوڑا۔

تاریخ وصال آیتِ قرآنی (وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن) بے کم و کاست ۱۳۴۳ھ ہجری نکلتے ہیں۔ یہ آیت شریفہ مخصوص حضور سرکار دو عالم ؐ کے لئے ہے اور اس کے اعداد ۱۳۴۳ھ مخصوص سرکار بریلی کے لیے ہیں۔ اس لئے ایک تفاول خاص ہے کہ اس آیت کے اعداد ہمارے کے لیے مخصوص و متحد ہیں۔

فی الجملہ نسبتے تبو کافی بود مرا　　　بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

اسی طرح لفظ (خیر البشر) جو مخصوص ہے رسول اللہ صلعم کے واسطے اس کے اعداد بھی ہمارے سرکار بریلی کے سنہ ۱۳۴۳ وفات سے متحد ہیں یہ بھی ایک تفاول خاص ہے اور اس سے مناسبت و فنائیت بذات رسول کا اختصاص معلوم ہوتا ہے۔

ان وہبی مناسبتوں کے بیان کرنے کے بعد میں کتاب الانسان الکامل للعارف الربانی سید عبدالکریم جیلانی مطبوعہ ازہریہ مصر ۱۳۱۶ھ جلد دوم صفحہ ۴ سے تھوڑی سی عبارت نقل کرتا ہوں اور اس کے فہم کو اہل بصیرت پر چھوڑتا ہوں۔

وھوھٰذا۔ وَقَدْ جَرَّۃٌ سُنَّۃٌ صَلعَمْ اِنَّہٗ لَا یَزَالُ یَتَصَوَّرُ فِی کُلِّ زَمَانٍ بِصُوْرَۃِ اَکْمَلِھِمْ لِیَعْلُا شَانَھُمْ وَیُقِمْ مَیلَانَھُمْ فَھُمْ خُلَفَائِہٖ فِی الظَّاھِرِ وَھُوَ فِی الْبَاطِنِ وَحَقِیْقَتِھِمْ۔

اگر کوئی شخص اس کی تفصیل اور شرح سمجھنے کا مشتاق ہو تو کتاب مذکور کو دیکھنے خود سمجھ میں آجائے گا یہاں اس کی تفصیل کرنے میں اصل مقصود سے میں دور پڑ جاؤں گا فافہم یا اولی الابصار۔ بعد وصال فاتحہ سیوم میں جو متوسلین خاندان نیازیہ قرب وجوار کے رہنے والے تھے۔ شریک ہوئے مگر فاتحہ چہلم کے لیے عام طریقہ سے تمام خلفاؤ مریدین دور دراز کو بھی اطلاع دی گئی۔ چنانچہ بروز چہلم تمامی خلفاؔ و مریدین تاج الاولیا وسراج السالکین مسافت بعیدہ سے آکر شریک ہوئے مسند مبارک سراج السالکین کی جائے معینہ پر بچھا دی گئی ہر چند کی خود سراج السالکین اپنے شب رخصت اور خطبہ وداع ہی میں اپنے لایق اور مستحق فرزند جناب عزیز میاں صاحب قبلہ کو اپنا جانشین فرما گئے مگر بہ پاس ادب آپ نے مسند شریف پر قدم نہیں رکھا اُس کے بعد لنگل میں رونق افروز ہوئے بعد قرآن خوانی تمامی خلفار و مریدین ورؤس شہر و جمہور مریدین نے حضرت عزیز میاں صاحب قبلہ کی خدمت میں استدعا کی کہ آپ مسند مبارک پر تشریف رکھیں کیونکہ آپ بہ لحاظ شریعت وطریقت ہر طرح سے مستحق سجادہ نشینی ہیں۔ چنانچہ آپ بہ اصرار واستدعائے جمہور خلفار و مریدین بالخصوص بحکم والدہ معظمہ مسند شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور سنت خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین ادا فرمائی اس وقت جو حالت ہوئی میں اس کی شرح نہیں کر سکتا جو فیوضات وبرکات مبذول ہو رہے تھے اور ہر درو دیوار سے آثار قبولیت وانوار وتجلیات ظاہر ہو رہے تھے اس کو حاضرین ہی کے دل سے پوچھئے خلاصہ یہ کہ جس وقت آپ مسند پر رونق افروز ہوئے تو تمامی خلفار تاج الاولیار وسراج السالکین و

مریدین و روسائے شہر نے نذر سجادگی پیش کی جس کی تعداد ہزاروں روپے سے زائد تھی۔ اس کے بعد سے سلسلہ بیعت و رشد و ہدایت جو شروع ہوا تو بحمد اللہ یوماً ترقی پذیر ہے اللّٰھم زد فزد۔

چہلم کے موقعہ پر ایک سنت اپنے شیخ کی باقی رہ گئی تھی آپ نے اس کو بھی اسی روز ادا فرمادی وہ یہ کہ حضرت تاج الاولیا کے چہلم کے روز حضرت سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ نے چار حضرات کو جو تربیت یافتہ تاج الاولیا کے تھے دستار و سند خلافت عطا فرمائی تھی۔ اسی طرح جناب عزیز میاں صاحب نے بھی بروز چہلم سراج السالکین کے چار حضرات کو یعنی مولوی انوار الرحمٰن صاحب جاگیر دار ریاست جے پور اور مولوی عبد الرؤف صاحب الہ آبادی اور مولوی احمد حسین صاحب رئیس آنولہ ضلع بریلی اور شوکت یار خانصاحب رئیس جہاں آباد کو جو تربیت یافتہ سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ کے تھے دستار و سند خلافت عطا فرمائی۔

تاریخ وصال کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل یادگار اور عجائبات سے ہے کہ آیت شریف۔

اَلَا اِنَّ اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم و لا ھم یحزنون خاندان چشتیہ فخریہ نیازیہ کے اکابر کی وفات میں قدرتی طور کے مطابق ہوتی چلی آتی ہے چنانچہ سید العاشقین سند المعشوقین حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی کی تاریخ وصال یہ ہے

اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون

۱۱۹۹ھ

قطب العالم مدار اعظم حضرت مولانا شاہ نیاز احمد چشتی بریلوی کی تاریخ وصال یہ ہے۔

اِنَّ اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون

۱۲۵۰ھ

مولانا عبیداللہ بخاری بریلوی اجل خلیفہ شاہ نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی تاریخ یہ ہے

اَلا انّ اولیاء اللہ لا خوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون

۱۲۸۲ھ

تاج الاولیا حضرت شاہ نظام الدین حسین نظامی نیازی بریلوی سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ کے وصال کی تاریخ یہ ہے۔

قال اللہ الا انّ اولیاء اللہ خوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون

۱۳۲۲ھ

اسی طرح حضرت سراج السالکین حضرت شاہ محی الدین احمد چشتی سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ بریلی شریف کے وصال کی تاریخ یہ ہے۔

قال احد اولیاء اللہ لا خوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون۔

۱۳۴۳ھ

ہمارے خاندان نیازیہ کے اعلیٰ رکن علامہ روزگار شاعر نغز گفتار خیال جناب مولانا مولوی خلیفہ انوار الرحمٰن صاحب متخلص بہ بسمل نیازی جاگیردار ریاست جے پور نے متعدد قطعات تاریخ وصال سرکار نہایت فصیح و بلیغ عربی فارسی میں تحریر فرمائی ہیں منجملہ ان کے صرف دو تاریخیں درج کتاب ہذا کرتا ہوں۔

شیخ ما بخشندۂ بوئے علی — مظہر خلق نبی خوئے علی

شاہ محی الدین احمد نور حق — والہ و آشفتہ روئے علی

بست و ہفتم از ربیع اولیں — شد ازیں دار فنا سوئے علی

در شب دوشنبہ در عین سماع | شد نثار روئے نیکوئے علی
عرض کردم یا رسول اللہ کجاست | آن اسیر حلقہ موئے علی

گفت شد گم در سجود وصل حق
درخم ایں طاق ابروئے علی

۱۳۴۳ھ

فاز جنت الارم ذات العمد | محی دین الاحمد النور الاحد
لیلۃ الاثنین من اوّل ربیع | سبعۃ العشرین یوم المعتقد
کان قطب الوقت شیخ العالم | راح فی روضات رضوان الصمد
غاب فی بار الھویت روحہ | فانیاً مستھلکا مد العمد
قد تفکرات سنین وصلہ | فی کلام اللہ لیس حیث العدد

اولیاء اللہ لاخوف علے
ہم ولا ھم یحزنون قال احد

۱۳۴۳ھ

از حضرت مولانا شاہ قطب الدین نیازی غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ مؤلف تذکرۃ الفقرا۔

بست و ہفتم بود از ماہ ربیع اولین | کان گل باغ طریقت سرو دلجوئے علی
شاہ محی الدین احمد سرو باغ بوتراب | بود ہم رنگ علی بوئے علی خوئے علی
از بریلی شد بہ سیھتل آں سراج السالکین | تا شود شامل بہ عرس عاشق روئے علی
در رسید آنجا و گفت از مطربے تا او بخواند | مطلع فرحت بوصف روی نیکوئے علی

باشد ایماں مسلماں مصحفِ روئے علی
سجدہ گاہ ماست محراب دو ابروئے علی

از سماعش نسبت مرتضویہ آمد بجوشش — از سر جاں در گذشت و شد بجاں سوئے علی
خوش سرے کو سر گراں باشد بعشق بوتراب — خوش دلے کو خاک گرد در بر سر کوئے علی

با نیازی گفت سالش فرحت از عجز و نیاز
۱۵۴
سجدہ گاہ ماست محراب دو ابروئے علی
۱۳۴۳ھ ۱۵۴ ۱۱۸۹

منہ

از بریلی چند فرسنگ است سیہتل موضعے — ہست مدفوں اندر انجا عاشقِ روئے علی
کرد آنجا شرکتِ عرس آں سراج السالکین — بود محی الدین احمد بستۂ موئے علی
آں چناں مستہلک اندر عشق حیدر بود او — ہر یکے می یافت از وے نکہت بوئے علی
چوں سرائید ایں غزل قوال با لحن حزیں — سجدہ گاہ ماست محراب دو ابروئے علی
از سماعش آتش عشق علی شد شعلہ زن — رخت جانش سوخت عشق روی نیکوئے علی
آنچناں تاثیر در دل کرد عشق بوتراب — کرد جانِ خود نثار روئے دلجوئے علی
کرد چوں تکرار ایں مصراع با سوز و گداز — سجدۂ حق کرد در محراب ابروئے علی
کرد عاشق آنچہ او را اقتصادی عشق بود — جان با جاناں سپردہ عاشقِ روئے علی
در دو شنبہ شب بہ بیست و ہفتم از اول ربیع — جان عاشق گشت مستانہ رواں سوئے علی

یافتم از لوح سینہ اے نیازی سالِ وصل
باشد ایماں مسلماں مصحفِ روئے علی
۱۶۹

۱۳۴۳ھ = ۱۶۹ + ۱۱۷۴

SIRAJ-US-SALEKEEN
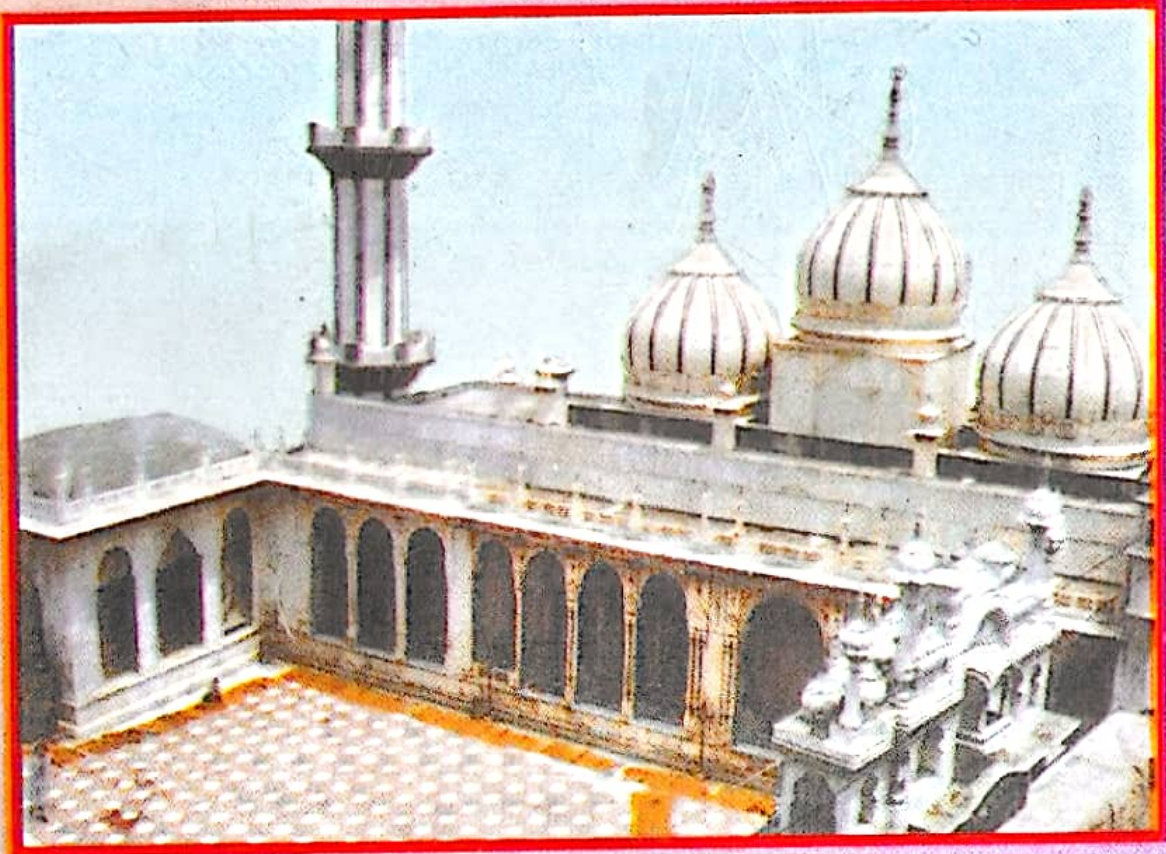
NIYAZIA ACADEMY
KHAWAJA QUTUB BAREILLY SHARIF